لیلیٰ مجنوں
www.iqbalkalmati.blogspot.com
از
ذوالفقار ارشد گیلانی

Upload By Muhammad Nadeem

www.iqbalkalmati.blogspot.com

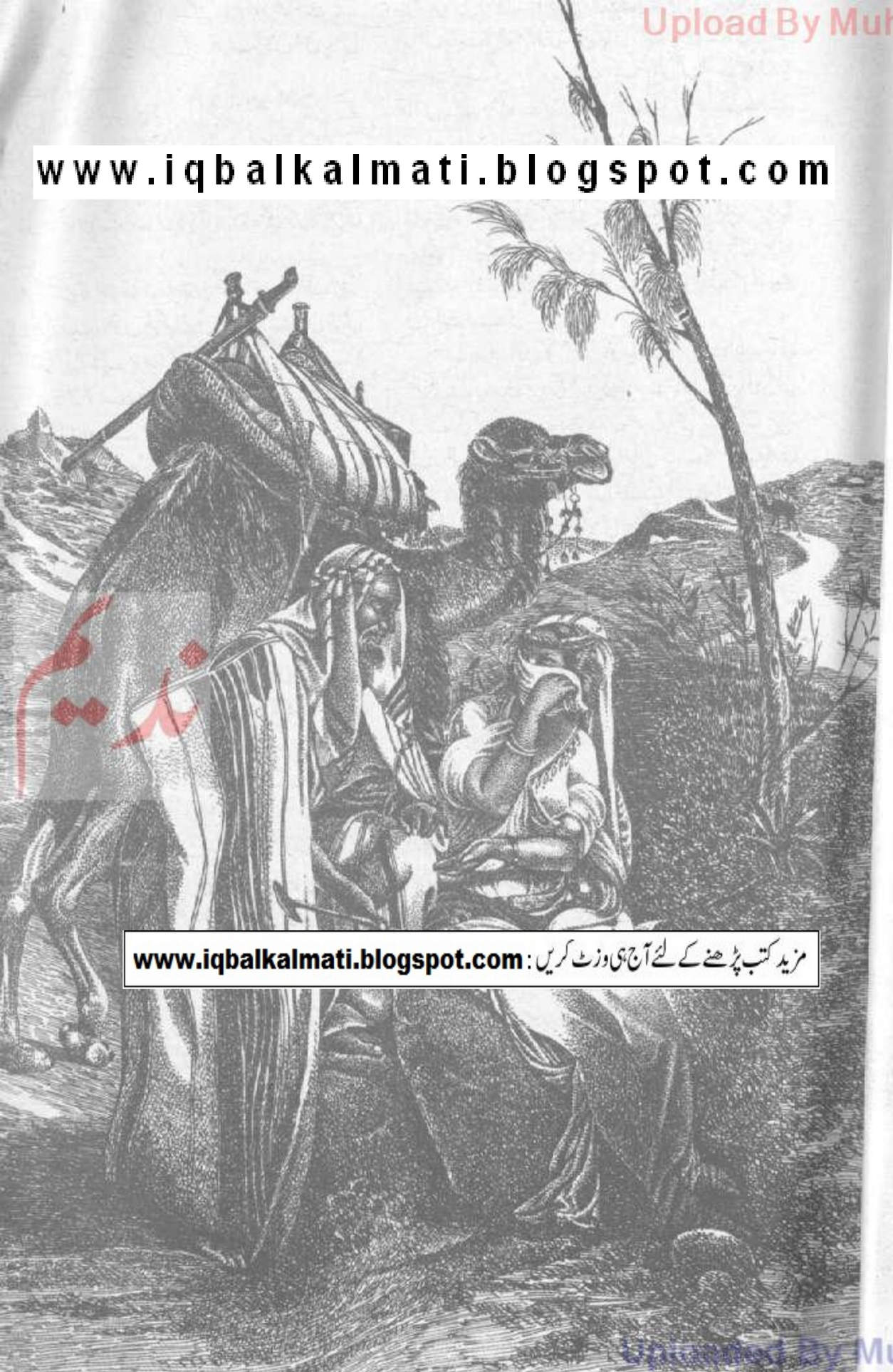

ندیم

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

لیلیٰ مجنوں

ذوالفقار ارشد گیلانی

اردو ادب کو مالامال کرنے میں عربی وفارسی کا بہت احسان ہے۔ بے حساب مقالے، شعری اصناف، قصے کہانیاں اردو میں منتقل ہوئیں۔ انہی میں ایک طویل سرگزشت "قصۂ لیلیٰ مجنوں" بھی ہے مگر اسے صرف ایک قصے کے طور پر سامنے لایاگیا۔ سرگزشت کی ابتدا سے کوشش رہی ہے کہ وہ "کچھ خاص" اہلِ ذوق کی نذر کرے۔ زیرِنظر تحریر اپنے آپ میں منفرد ہے کہ اس میں تاریخی شواہد بھی ہیں اور منطقی بحث بھی، کہانی بھی ہے اور کہانیت سے لبالب تبصرہ بھی۔ تنقید کی نگاہ سے بھی اسے پرکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس تحریر کو اردو ادب میں ایک اضافہ بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔

باذوق قارئین کے لیے توشۂ خاص، ایک قدیم قصہ نئی کسوٹی پر

تمام رومانوی داستانیں بہ ظاہر ایک سی ہوتی ہیں کیونکہ ان سب میں ایک ہی جذبہ کارفرما ہوتا ہے جسے آپ اور ہم محبت کے نام سے جانتے پہچانتے ہیں لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یکسانیت کے باوجود ہر داستان کی اپنی چاشنی، طلسم اور رنگ ہوتا ہے۔ جذبہ بے شک ایک ہے لیکن چونکہ ہر ذی روح کے ہاں جذبات کے اظہار کا انداز مختلف ہوتا ہے اس لیے جب ہم محبتوں کے حوالے سے مختلف افراد کے رویّوں کی بابت پڑھتے ہیں تو داستان کا نشہ دو آتشہ ہوجاتا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ اس کہاوت کو زبان زدِ عام کا درجہ حاصل ہے کہ عظیم داستانوں کا طلسم ہی جداگانہ ہوتا ہے۔

دیکھا جائے تو محبت ایک خودرو پودا اور فطری جذبہ ہے جو کسی کوشش و محنت کے بغیر ہی پروان چڑھتا ہے، اپنی شناخت کراتا ہے اور پھر خود کسی کی شناخت بن جاتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ محبتیں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہوتیں بلکہ یہ تو خود اپنا تعارف ہوتی ہیں۔

وارث شاہ ایک عام شاعر ہی تو تھے لیکن ہیر رانجھا کے جذبوں کو اشعار میں ڈھالنے کے بعد وہی اس کا تعارف بن گئے۔ پیلو اگر مرزا صاحباں کا قصہ قلم بند نہ کرتا تو آج شاید کوئی اس کا نام بھی نہ جانتا۔ نظامی گنجوی نے مثنوی خسرو شیریں لکھ کر خود کو امر کیا تو شاہ عبداللطیف بھٹائی نے سُرسوہنی اور سُرسسی کے ذریعے اپنی شاعری کو دوام بخشا۔ بے شک میاں محمد بخش کی صوفیانہ عظمت سے کسی کو انکار نہیں لیکن ان کی شاعری کو چار چاند داستان سیف الملوک نے لگائے جس میں انہوں نے محبت کو استعارے کے طور پر استعمال کر کے وہ اسرار و رموز بیان کیے کہ جن کی تشریح کے لیے ایک نہیں بلکہ کئی ضخیم کتابوں کی ضرورت ہے۔

رہ گئی جذبوں کی بات تو تمام محبت کرنے والے اس کی معراج تک پہنچے لیکن ان کا طریقہ مختلف تھا۔ رانجھے نے اپنی محبوبہ کے لیے بارہ سال مویشی چرائے اور بالآخر ہیر کے فراق میں جوگی بننے پر مجبور ہوگیا۔ مہینوال اپنی ران کا گوشت سوہنی کو کھلاتا رہا اور سوہنی یہ جانتے ہوئے بھی کہ پانی، کچے گڑھے کو کھا جائے گا، اپنے محبوب سے ملنے کے لیے دیوانہ وار دریائے چناب کی شوریدہ سر لہروں میں کود گئی۔ پنوں، سسی کے لیے شہزادگی چھوڑ کر دھوبی بن بیٹھا اور سسی اس کی تلاش میں صحراؤں کو چھانتی خود صحرا ہوگئی۔ شیریں فرہاد کی داستان گو افسانہ ہی سہی لیکن جذبات کے اظہار کے اس طریقے کو کوئی خراجِ تحسین پیش کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ شیریں کی موت کا سن کر فرہاد نے سر میں تیشہ مار لیا اور شیریں یہ خبر سن کے محل کی چھت سے کود کر زندگی کی بازی ہار گئی۔

محبتوں کی داستانیں بے شمار اور بے حد طویل ہیں لیکن لیلیٰ مجنوں کے ذکر کے بغیر ادھوری ہیں کیونکہ یہ دونوں صرف محبت کی آبرو ہی نہیں بلکہ مجسم اور جیتی جاگتی محبت تھے۔ ان کے جذبوں کو کیا کہیے کہ مار مجنوں کو پڑتی اور ہتھیلیاں لیلیٰ کی زخمی ہوتیں۔ زخم مجنوں کو لگتا اور درد لیلیٰ محسوس کرتی۔ یہ محبت ہی تو تھی کہ جس کی وجہ سے ایک بااثر اور باعزت عرب قبیلے

Uploaded By Muhammad Nadeem

Upload By Muhammad Nadeem

کے سردار کا بیٹا اور ولی عہد' اپنا اصل نام اور شناخت تک گنوا بیٹھا اور دنیا آج اسے صرف اور صرف مجنوں یعنی پاگل کے نام سے جانتی ہے۔

دوسری رومانوی داستانوں کی طرح بعض محققین نے لیلیٰ مجنوں کے بارے میں بھی شکوک و شبہات کا اظہار کیا ہے لیکن ان میں کوئی صداقت نہیں کیونکہ لیلیٰ مجنوں نہ صرف ایک سچی اور حقیقی داستان ہے بلکہ اس کا باقاعدہ تاریخی پس منظر بھی موجود ہے۔

کچھ محققین کا کہنا تھا کہ داستان لیلیٰ مجنوں ''الف لیلہ'' یعنی ایک ہزار ایک راتوں کی کہانیوں کے مجموعے میں شامل ہے۔ ''الف لیلہ'' ایک ہزار ایک کہانیوں پر مشتمل کتاب کا نام ہے جسے 725ء سے 775ء کے دوران عرب کے چند ادیبوں اور شاعروں نے مرتب کیا تھا۔ ان میں سے بیشتر کہانیوں کا تعلق بابل' مصر' ترکی اور یونان کی داستانوں سے ہے۔ بعدازاں دیگر کہانیاں ان میں شامل ہوئیں جن کا تعلق حضرت سلیمان' ایرانی سلاطین اور اموی و عباسی خلفا (خصوصاً ہارون الرشید) سے تھا۔

''اردو کی نثری داستانیں'' کے مصنف ڈاکٹر گیان چند کے مطابق الف لیلہ کو سب سے پہلے عربی سے ترکی میں منتقل کیا گیا۔ یورپ میں سب سے پہلے ایک فرانسیسی ادیب گے لینڈ (GALLAND) نے اس کا ترجمہ کیا جو 1624ء سے 1715ء کے دوران زندہ تھا۔ پھر اسی کی کتاب سے اس کے دوسری زبانوں میں ترجمے ہوئے جبکہ اردو میں یہ کتاب' انگریزی سے ترجمہ ہوئی۔

تاریخی شواہد کے مطابق الف لیلہ کی بنیاد سمرقند کے ایک بادشاہ کی زندگی پر رکھی گئی ہے جو اپنی ملکہ کی بے وفائی سے دل برداشتہ ہو کر عورت ذات سے مکمل طور پر بدظن ہوگیا تھا۔ اس نے یہ دستور بنالیا تھا کہ ہر روز ایک شادی کرتا اور دلہن کو رات بھر رکھ کر صبح قتل کردیتا۔

آخر اس کے ایک وزیر کی لڑکی شہرزاد (بعض جگہ اس کا نام شہزاد بھی تحریر ہے) نے رعایا کی کنواری لڑکیوں کو اس عذاب سے بچانے اور عورت ذات کے ماتھے سے اس داغ کو دور کرنے کا تہیہ کرلیا۔ اس نے اپنے باپ کو رضامند کرکے بادشاہ سے شادی کرلی۔ سب لوگوں کا خیال تھا کہ اگلی صبح حسب سابق شہرزاد کی لاش حجلۂ عروسی سے باہر لائی جائے گی لیکن حیرت انگیز طور پر ایسا نہ ہوا۔ شہزاد یا شہرزاد چونکہ اس قبیح رسم کو ختم کرنے کے لیے گئی تھی چنانچہ اس نے نہایت عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بادشاہ کو ایک کہانی سنانا شروع کر دی۔ بادشاہ پوری توجہ سے کہانی سنتا رہا۔ سہاگ رات تو تمام ہوگئی لیکن کہانی ختم نہ ہوئی۔ کہانی چونکہ بے حد دلچسپ تھی اور شہرزاد نے ایک سوال حل طلب چھوڑ دیا تھا اس لیے بادشاہ نے وزیرزادی کو کہانی مکمل کرنے کے لیے ایک اور رات کی مہلت دے دی۔

اگلی رات وزیرزادی نے ادھوری کہانی دوبارہ شروع کی۔ جیسے ہی یہ کہانی ختم ہوئی' شہرزاد نے دوسری کہانی شروع کردی جو پہلے سے زیادہ دلچسپ تھی۔ صبح ہوگئی لیکن کہانی اپنے انجام کو نہ پہنچی چنانچہ بادشاہ نے دوسری کہانی ختم کرنے کی مہلت دے دی۔

اب وزیرزادی کا معمول ہوگیا کہ وہ ہر رات ایک کہانی ختم کرکے دوسری شروع کردیتی اور بادشاہ اسے کہانی مکمل کرنے کی مہلت دے دیتا۔ اس طرح اس نے ایک ہزار ایک راتوں تک بادشاہ کو نت نئی کہانیاں سنانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس دوران ملکہ کے ہاں دو بچے بھی پیدا ہوگئے اور عورت ذات پر بادشاہ کا اعتماد بھی بحال ہوگیا۔

محققین کا دعویٰ ایک جانب لیکن حقیقت یہ ہے کہ لیلیٰ مجنوں کی داستان کسی بھی طور ''الف لیلہ'' کا حصہ نہیں اور اس کے دو ٹھوس شواہد موجود ہیں۔ ان میں سے پہلا یہ ہے کہ ''الف لیلہ'' سراسر خیالی کہانیوں کا مجموعہ ہے اور شاید ہی کوئی کہانی اپنے تاریخی پس منظر یا حقائق کی حامل رہی ہو لیکن اس کے برعکس لیلیٰ مجنوں مضبوط تاریخی پس منظر اور جان دار حقائق کی حامل ہے۔

جبکہ دوسری جانب کیپٹن سر رچرڈ فرانسس برٹن نے ''الف لیلہ'' میں شامل جن ایک ہزار ایک کہانیوں کی فہرست مرتب کی ہے اس میں کہیں لیلیٰ مجنوں کا نام شامل نہیں۔

کیپٹن سر رچرڈ فرانسس برٹن 19 مارچ 1821ء کو پیدا ہوا۔ یہ برطانوی فوجی افسر' ایک مصنف' محقق' مترجم' سفارت کار' مہم جو اور ماہر لسانیات تھا۔ وہ انتیس یورپی' ایشیائی اور افریقی زبانوں پر عبور رکھتا تھا۔ وہ تاریخ کا دوسرا غیر مسلم ہے جس نے 1853ء میں حج کیا اور مکہ و مدینہ کی زیارت کی۔ اس مقصد کے لیے اس نے نہ صرف پٹھانوں کا بہروپ بھرا بلکہ پکڑے جانے کے خطرات کو کم سے کم کرنے کے لیے ختنہ بھی کرالیا مگر اس کے باوجود ایک لڑکے نے اسے غیر مسلموں کی طرح کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھ لیا اور فرانسس برٹن نے اپنی جان بچانے کے لیے اسے قتل کردیا۔ برٹن نے وسطی افریقا کی کئی جھیلیں دریافت کیں جن میں جھیل وکٹوریہ بھی شامل ہے۔

Uploaded By Muhammad Nadeem

سلطان محمود کا ایک دلیر بہادر سردار علی نوشتگین نائب سپہ سالار تھا اور کم و بیش پچاس ہزار فوجی اس کی نگرانی میں تھے۔ ایک دن اپنی بدبختی کا مارا شراب پی کر نشے کی حالت میں سو جنگجو سپاہیوں کے دستے کے ساتھ جھومتا ہوا سیر کے لیے نکل پڑا۔ سپہ سالاری کے زعم میں اس بات کی بھی پروا نہ کی کہ اگر محتسب کو خبر ہوگئی تو کیا ہوگا۔ شامت اعمال کہ وہ بازار سے گزر رہا تھا کہ دوسری جانب سے محتسب بھی چند پیادوں کے ساتھ آنکلا۔ اس نے علی نوشتگین کو اس حالت میں دیکھا تو اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اسے گھوڑے سے اتار لو اور پھر خود اسے اپنے ہاتھ سے دُرّے لگا کر اپنا فرض پورا کیا۔ علی نوشتگین کے جنگجو جوان کھڑے دیکھ رہے تھے اور دم نہ مار سکتے تھے کہ محتسب نے شریعت اور سلطان کے حکم کی پابندی ہی کی تھی۔ ادھر سپہ سالار ندامت میں غرق ہوا جا رہا تھا کہ نشے کی حالت میں گھر سے باہر قدم کیوں نکالا۔

کیا آج بھی کسی محتسب' کسی پولیس انسپکٹر یا بڑے سے بڑے پولیس افسر کی یہ ہمت ہو سکتی ہے کہ اس طرح ایک اعلیٰ عہدیدار کو اس کے جرم پر اعلانیہ سزا دینا تو درکنار، اسے گرفتار کرنے یا محض باز پرس کرنے کی بھی جرأت کر سکے اور اگر کوئی مائی کا لال یہ ہمت کر ہی بیٹھے تو کیا حکومت وقت کے عہدیداروں میں قانون شریعت کا اتنا احترام ہے کہ وہ خاموشی سے سزا برداشت کریں اور انتقاماً اس محتسب کے خلاف کوئی کارروائی نہ کریں۔

سلطان محمود کو علی نوشتگین کے شراب پینے کی خبر تو تھی مگر محتسب کے ملنے اور حدِ شرعی جاری کرنے کا علم نہ تھا۔ دوسرے دن جب وہ سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا تو محمود نے محتسب کے ادائے فرض کی تصدیق کے لیے نائب سپہ سالار کی پشت کھول کر دیکھی' وہاں دُرّوں کے نشانات موجود تھے۔ ہنس کر بولا، توبہ کرو کہ شراب نہیں ہوگے اور اگر پیو گے تو یوں گھر سے جھومتے ہوئے نہیں نکلو گے۔

فرانس برٹن 20 اکتوبر 1890ء تک زندہ رہا لیکن اپنی موت سے پہلے اس نے ''الف لیلہ'' کی کہانیوں کی فہرست اور ان کے واقعات تحریر کیے۔ ان واقعات کی دس جلدیں تشکیل پائیں جو 1865ء اور 1886ء میں منظرِ عام پر آئیں جبکہ اضافی راتوں کی کہانیاں 1886ء اور پھر 1888ء میں شائع ہوئیں۔ اس تمام فہرست اور ان کہانیوں میں کہیں لیلیٰ مجنوں موجود نہیں۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لیلیٰ مجنوں کسی بھی طور فرضی کہانی نہیں بلکہ ایک سچا واقعہ ہے جو چھٹے اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان (جو 685ء سے 705ء تک برسرِ اقتدار رہا) کے دور میں رونما ہوا۔

داستان لیلیٰ مجنوں بنیادی طور پر عربی ادب کا حصہ ہے اور سب سے پہلے یہ عربی ادب سے نکل کر فارسی زبان میں منتقل ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ فارسی ادب میں اس کہانی کو متعارف کرانے کا سہرا رودکی کے سر ہے۔

رودکی کا پورا نام ابوعبداللہ جعفر ابن محمد ابن حکیم ابن عبدالرحمان ابن آدم رودکی سمرقندی تھا۔ آدم الشعرا کہلانے والے رودکی کو رودا کی اور ردھگی بھی لکھا گیا ہے۔ رودکی 838ء میں پیدا ہوا جبکہ اس کا سن انتقال 941ء بتایا گیا ہے۔ رودکی کو جدید فارسی کا پہلا عظیم ادیب قرار دیا جاتا ہے۔ اس نے ''پرسوار بک حروف'' یا نئی فارسی میں نظمیں تکھیں جبکہ اسے تاجک پرشین کلاسیکل لٹریچر کا بانی بھی کہا جاتا ہے۔

رودکی' کی جائے پیدائش رودک (پنجرود) خراسان' ایران ہے لیکن اب یہ شہر پنجا کنٹ کے نام سے تاجکستان میں شامل ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ رودکی پیدائشی نابینا تھا لیکن اس کی سوانح عمری لکھنے والے ابتدائی مورخین اس بارے میں خاموش ہیں یا جان بوجھ کر اس کا تذکرہ نہیں کرتے۔ نابینا ہونے کے باوجود صحیح معلومات اور شاعری میں رنگوں کی پہچان یا شناخت کے حوالے سے رودکی کی صلاحیت قابلِ ستائش ہی نہیں' حیران کن بھی ہے۔

رودکی 914ء سے 943ء تک بخارا پر حکومت کرنے والے حکمران سامانید نصر دوم ابن احمد کا درباری شاعر تھا لیکن بعد میں وہ کسی وجہ سے بادشاہ کی سرپرستی سے محروم ہوگیا چنانچہ اس کی آخری عمر انتہائی غربت و عسرت میں گزری۔

کہا جاتا ہے کہ شاعری کا دیوان مرتب کرنے کی ابتدا رودکی نے کی تھی۔

فارسی زبان کے اس عظیم اور منفرد شاعر سے 13 لاکھ اشعار منسوب ہیں لیکن ان میں سے محض 52 قصیدے

Upload By Muhammad Nadeem

غزلیں اور رباعیاں دستیاب ہیں۔

21 دسمبر 2008ء کو رودکی کی 1150 ویں سالگرہ پر وحدت ہال، تہران میں ایک سیمینار ہوا جس میں اسے زبردست خراجِ عقیدت و تحسین پیش کیا گیا۔ سیمینار میں صدر احمدی نژاد اور تاجکستان کے وزیرِ ثقافت نے شرکت کی اور رودکی کو ''بابائے جدید فارسی ادب'' کا خطاب دیا گیا۔

رودکی کی روایت کو نظامی گنجوی نے آگے بڑھایا لیکن اس دوران ڈھائی سو سال کا طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ لیلیٰ مجنوں کی داستان کو عربی ادب کے حلقے سے نکالنے کا سہرا بے شک رودکی کے سر ہے لیکن اسے اصل شہرت نظامی گنجوی کی وجہ سے نصیب ہوئی کیونکہ نظامی نے مجنوں کے حوالے سے تمام آزاد اور افسانوی معلومات اکٹھی کیں، حقائق کا تجزیہ کیا اور پھر اپنے زورِ قلم سے اس رومانوی جوڑے کی ایسی تصویر کھینچی جو شہرۂ آفاق کہلائی۔ صرف یہی نہیں بلکہ شواہد سے ثابت ہے کہ اس کے بعد داستان لیلیٰ مجنوں جس زبان میں بھی لکھی گئی اس کا ماخذ نظامی گنجوی کا شاہکار ہی ٹھہرا۔

نظامی گنجوی کا پورا نام نظام الدین ابو محمد الیاس ابن یوسف ابن ذکی ابن معید تھا۔ اسے فارسی زبان اور ادب کا سب سے بڑا داستان گو قرار دیا جاتا ہے کیونکہ اس نے فارسی داستانوں کو ایسا رنگ دیا جسے پڑھنے والوں نے زبردست شرفِ قبولیت بخشا۔ اس کی تحریروں کا اثر ایران کے علاوہ آذربائیجان، افغانستان اور تاجکستان نے بھی قبول کیا۔

نظامی 1141ء میں سلجوق بادشاہت کے علاقے اتابکان آذربائیجان کے ایک بڑے شہر گنج میں پیدا ہوا۔ اس نے تین شادیاں کیں لیکن تینوں بیویاں اس کی زندگی میں ہی انتقال کر گئیں لیکن کہا جاتا ہے کہ ہر بیوی کے انتقال پر اس نے اپنی جو داستان مکمل کی اسے عالمگیر شہرت نصیب ہوئی۔ نظامی کو مثنوی کا بادشاہ اور بارہویں صدی عیسوی کے چار عظیم فارسی شعرا میں سے ایک قرار دیا جاتا ہے۔

1163ء میں اس نے مخزن الاسرار تحریر کی جس کا کچھ حصہ 1176ء میں مکمل کیا۔ یہ دو ہزار دو سو پچاس قطعات پر مشتمل تھی۔ 1177ء سے 1180ء کے دوران اس نے مثنوی خسرو شیریں لکھی جو ساڑھے چھ ہزار قطعات پر مشتمل تھی۔ یہ ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کی ملکہ شیریں اور ایک تیشہ گر فرہاد کی داستانِ عشق تھی (بعد کی تحقیقات کے مطابق فرہاد کا کردار محض زیبِ داستان کے لیے شامل کیا گیا تھا وگرنہ شیریں صرف خسرو پرویز سے محبت کرتی تھی اور دمِ آخر تک اس کی وفادار رہی)

1192ء میں نظامی گنجوی نے مثنوی لیلیٰ مجنوں مکمل کی۔ یہ عربی کہانی تھی جسے 4 ہزار 700 قطعات میں منظوم کیا گیا۔ نظامی نے اسے ایک ساسانی جرنیل بہرام چوبین کے ایک جانشین ابوالمظفر شیروان شاہ کے نام معنون کیا جس کے خیالات و افکار کی عکاسی نظامی کی ایک اور تصنیف 'ہفت پیکر'' میں بھی نظر آتی ہے۔

طویل نظم عربوں کے ایک روایتی اور مشہور کردار قیس کی کہانی تھی۔ نظامی کے مطابق قیس خود بھی شاعر تھا اور بچپن سے ہی اپنی کزن لیلیٰ کی محبت میں گرفتار تھا۔ وہ اسکول میں تو ایک دوسرے کے ساتھ رہے لیکن بعد میں خاندانی اختلافات کے باعث ایک دوسرے کو دیکھنے سے محروم کر دیے گئے۔ قیس اور لیلیٰ کی شادی نہیں ہونے دی گئی بلکہ لیلیٰ کو کسی اور شخص سے بیاہ دیا گیا اور وہ اسے موجودہ عراق کے علاقے میں لے آیا۔

قیس اپنی محبوبہ کی جدائی برداشت نہ کر سکا اور ہوش و حواس کھو بیٹھا جس کی وجہ سے اسے مجنوں کہا جانے لگا کیونکہ عربی میں پاگل یا ہوش و حواس سے بیگانہ شخص کو مجنوں کہا جاتا ہے۔ مجنوں نے اپنے قبیلے اور خاندان کو خیرباد کہا اور صحرا میں نکل گیا جہاں اس نے اپنی محبوبہ کے فراق میں نظمیں لکھنا شروع کر دیں۔ نظامی کے مطابق دونوں محبت کرنے والے زندگی میں تو کبھی ایک دوسرے سے نہ مل سکے لیکن انہیں ایک ساتھ قبر میں ضرور دفنایا گیا۔

نظامی گنجوی کی مثنوی لیلیٰ مجنوں کا ترجمہ ڈاکٹر روڈلف گیل پک نے ای میٹن کے تعاون سے انگریزی زبان میں کیا جسے جی ہل اور میگا پبلی کیشنز نے 1966ء میں شائع کیا۔

نظامی نے لیلیٰ مجنوں کا قصہ لکھتے وقت کرداروں کی تشکیل، دونوں کے تعلق اور حالات و واقعات کو بہ طورِ خاص مدِنظر رکھا۔ پروفیسر علی گوہراب نے نظامی گنجوی کے اندازِ تحریر اور کردار نگاری کے حوالے سے ایک طویل مقالہ بھی تحریر کیا ہے۔

لیلیٰ مجنوں کے بعد نظامی گنجوی نے 1196ء میں 'ہفت پیکر'' لکھی جبکہ 1196ء سے 1202ء کے دوران اسکندر نامہ تصنیف کی۔ دس ہزار پانچ سو قطعات پر مشتمل یہ طویل نظم الیگزینڈر دی گریٹ کے ایران پر حملے کی کہانی ہے۔ نظامی نے اس تصنیف میں الیگزینڈر کو قرآن کا ذوالقرنین قرار دیا ہے جو صریحاً غلط ہے۔ اس کے دو حصے ہیں اس کا پہلا حصہ شرف نامہ اور دوسرا اقبال نامہ کہلاتا ہے۔

نظامی گنجوی کا انتقال 1209ء میں ہوا۔

اس کے بعد فارسی زبان کے دیگر شعرا نے بھی پ...

Uploaded By Muhammad Nadeem

طور پر لیلیٰ مجنوں کی داستان پر طبع آزمائی کی اور اس قصے کو مختلف انداز میں لکھا لیکن ان میں سے اکثر نے نظامی کی روایات کی پیروی کی اور انہی واقعات پر قناعت کی جو نظامی نے تحریر کیے تاہم بعض شعرا نے اس رومانوی داستان کو علیحدہ واقعات و حالات کے ساتھ بھی لکھا۔

نظامی کی تحریر کردہ لیلیٰ مجنوں کی حزنیہ داستان کے تاثر کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ بعض محققین اور نقادوں نے رومیو جیولیٹ کو بھی اس کا چربہ قرار دیا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ رومیو جیولیٹ کی بنیاد ایک لحاظ سے لیلیٰ مجنوں کی داستان کے لاطینی ترجمے پر رکھی گئی تاہم شیکسپیئر کے محققین اس امر سے انکاری ہیں اور اس کے اصل ہونے پر بضد ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ رومیو جیولیٹ کے بہت سے واقعات میں لیلیٰ مجنوں کا عکس واضح نظر آتا ہے۔

نظامی کے بعد داستان لیلیٰ مجنوں کے حوالے سے جس نام نے سب سے زیادہ شہرت حاصل کی وہ فضولی کا ہے جس نے سولہویں صدی عیسوی میں اسے آذربائیجانی زبان میں ترجمہ کیا۔ فضولی دراصل اپنے وقت کے ممتاز شاعر محمد بن سلیمان کا قلمی نام ہے جسے اکثر ترک روایات میں دیوان مرتب کرنے والوں میں ایک بلند اور ممتاز مقام دیا جاتا ہے۔ فضولی نے اپنے دیوان تین مختلف زبانوں میں ترتیب دیے جن میں آذربائیجانی ترکی، فارسی اور عربی زبانیں شامل ہیں۔ فضولی اپنے وقت کا ایک ماہر ریاضی داں اور ماہر علم نجوم بھی تھا۔

فضولی 1483ء کے لگ بھگ عراق کے شہر کربلا یا... النجف میں پیدا ہوا۔ ان دنوں اس علاقے پر آق قویون ترکمانوں کی حکومت تھی جبکہ فضولی کے خاندان کا تعلق بیات قبیلے سے تھا جو ترکوں کے اوغوز قبیلے کی ایک شاخ اور عثمانی کیائی قبیلے کا حصہ تھا۔ بیات قبیلہ پورے مشرق وسطیٰ، اناطولیہ اور کاکسس میں آباد تھا۔ گو فضولی کے آباؤ اجداد خانہ بدوش تھے لیکن ایک طویل عرصے سے شہروں میں مقیم تھے۔ فضولی کے والد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ الحلہ شہر کے مفتی تھے۔

اپنے قلمی نام کے حوالے سے فضولی بڑی دلچسپ توجیہہ پیش کرتا ہے۔ اپنی فارسی نظموں کے مجموعے میں وہ لکھتا ہے کہ شاعری کے ابتدائی دنوں میں 'میں ہر چند روز بعد اپنا تخلص تبدیل کر لیتا کیونکہ مجھے پتا چلتا تھا کہ یہ تخلص کوئی اور بھی استعمال کر رہا ہے۔ بالآخر تنگ آ کر میں نے اپنا قلمی نام ''فضولی'' رکھ لیا جس کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ کسی اور کا تخلص نہیں ہو سکتا۔

فضولی عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی غیر اہم، غیر ضروری یا فضول چیز کے ہیں لیکن اس نام کا اسے فائدہ بھی ہوا کیونکہ بہت سے لوگوں نے اسے فضل کی جمع فضول اور فن کی جمع فنون کے ہم پلہ سمجھا۔

فضولی کی تمام عمر النجف میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے روضہ مبارک کی زیارت کرتے ہوئے گزری جبکہ اس کا انتقال 1556ء میں کربلا میں طاعون یا ہیضے کے سبب ہوا۔

فضولی خود تو صوفی نہیں تھا لیکن اس کی شاعری پر صوفیانہ رنگ غالب تھا۔ اپنی طویل نظم داستان لیلیٰ و مجنوں اس نے اسی رنگ میں تحریر کی۔ یہ نظم مثنوی کی طرز پر تھی لیکن اپنی اس تالیف میں اس نے اپنی محبوبہ سے جدا ہونے کے بعد مجنوں کے کرب اور دیوانگی کو زیادہ اجاگر کیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ فراق کا درد ہی اصل محبت ہے۔

یارب بلائے عشق ایلہ قیل آشنا منی
بردم بلائے عاشقدن، استمہ جدا منی
ازا یلمہ عناتیولی اہلِ درون
یعنی کہ چوح بلالرہ قیل مبتلا منی

(اے میرے اللہ! مجھے دردِ محبت سے آشنا کر دے اور مجھے ایک لمحے کے لیے بھی اس سے جدا نہ کر۔ مجھے اس سے چھٹکارا پانے کی دعا نہ دے نہ مدد بلکہ اس کے بجائے مجھے ان میں شامل کر دے جو محبت کے مارے ہوئے ہیں)

انسائیکلو پیڈیا ایرانیکا کے مطابق فضولی کی پندرہ تصانیف نے بے حد شہرت حاصل کی جو عربی فارسی اور ترک زبانوں میں تھیں۔ اس نے نظم و نثر دونوں میں طبع آزمائی کی لیکن سب سے زیادہ شہرت اسے لیلیٰ مجنوں کے قصے کی وجہ سے ملی۔

فضولی کی اس داستان کو آذربائیجان کے ایک مشہور کمپوزر عزیز حاجی بایوف نے اپنی طرزوں میں استعمال کیا اور اسی کو مشرق وسطیٰ کا سب سے پہلا اوپیرا کہا جاتا ہے۔ اس کا پریمیئر 25 جنوری 1908ء کو باکو میں ہوا۔

لیکن اس سے پہلے داستانِ لیلیٰ مجنوں کو انیسویں صدی میں ایک اسٹیج ڈرامے کی صورت میں پیش کیا گیا جسے احمد شوقی نے تحریر کیا تھا۔ یہ ایک شعری ڈراما تھا جسے دورِ جدید کی عرب شاعری کی بہترین مثال قرار دیا جاتا ہے لیکن احمد شوقی نے اپنی نظموں کے ساتھ اس میں قیس کے بعض مصرعے بھی شامل کیے جس سے ایک الجھن پیدا ہوا کہ کون سی بات کس نے کہی ہے۔ کون سی لائن شوقی کی ہے اور کون سی قیس کی۔ مگر اس کے باوجود اس شعری ڈرامے کو لیلیٰ مجنوں کے حوالے سے بے انتہا اہمیت اور شہرت حاصل ہوئی۔

Uploaded By Muhammad Nadeem

مورخین نے احمد شوقی کا سنِ پیدائش 1868ء اور سالِ وفات 1932ء تحریر کیا ہے۔ وہ ایک مصری شاعر اور ڈراما نویس تھا جس نے جدید عربی ادب تحریک کی بنیاد رکھی اور عربی ادبی روایات میں منظوم رزمیہ داستانیں متعارف کرائیں۔

احمد شوقی کا خاندان خدیو مصر کے دربار سے وابستہ تھا چنانچہ جب احمد شوقی نے ترجمے میں ڈگری حاصل کی تو اسے بھی دربار خدیو کی جانب سے ملازمت کی پیشکش ہوئی جو اس نے فوری قبول کرلی لیکن ایک سال بعد ہی وہ قانون پڑھنے کے لیے فرانس چلا گیا اور 1894ء میں واپس مصر آیا۔ 1914ء میں اسے انگریزوں نے اندلسیہ (اسپین) جلاوطن کردیا جہاں وہ 1920ء تک مقیم رہا۔ 1927ء میں بہ حیثیت امیر الشعرا اس کی تاج پوشی کی گئی۔

شوقی وہ پہلا شخص تھا جس نے عربی ادب میں شعری ڈرامے تحریر کیے جو تمام کے تمام حزنیہ تھے۔ مجنوں لیلیٰ اس کا پہلا شعری ڈراما تھا جس کے بعد اس نے کیلوپیٹرا کی موت (اس کا سب سے مشہور ڈراما) انتارا علی بیک الکبیر اور کمبیض تحریر کیے۔ اس کے دو مزاحیہ ڈرامے بھی بے حد مشہور ہوئے جن کے نام السیت ہدا (میڈم ہدیٰ) اور ال نجلیلہ (کنجوس) تھے۔

لیلیٰ مجنوں کی داستان نے عام شاعری کے ساتھ ساتھ صوفیانہ شاعری پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے اور کم و بیش ہر صوفی شاعر نے اپنی شاعری میں لیلیٰ کو بہ طور محبوبہ پیش کیا۔ بعض محققین کے مطابق صوفیانہ شاعری میں لیلیٰ مجنوں کی اصل کہانی سب سے پہلے بہاء اللہ نے اپنے افسانوی شاہ کار ''سیون ویلیز'' (سات وادیاں) میں پیش کی۔

بہاء اللہ کا اصل نام مرزا حسین علی نوری تھا۔ وہ 12 نومبر 1817ء کو ایران میں پیدا ہوا۔ وہ بابی تحریک کا پیروکار اور ایران کے مشہور بہائی فرقے کا بانی ہے۔

اس کا دعویٰ تھا کہ اسے احکام الٰہی کی تکمیل کے لیے زمین پر بھیجا گیا ہے لیکن اگر اسے بہ نظر غائر دیکھا جائے تو یہ دعویٰ کچھ یوں نظر آتا ہے کہ بہاء اللہ (اللہ کا تحفہ) اللہ کا فرستادہ تھا (معاذ اللہ)۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ اس الہامی مذہب کی تجدید کے لیے بھیجا گیا ہے جس کا آغاز حضرت آدم نے کیا تھا جبکہ اس میں شریعت ابراہیمی، زوراست ازم (زرتشت ازم) ہندوستانی مذاہب اور دیگر دین شامل ہیں۔ اس کا یہ دعویٰ بھی تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ایک نیا مذہب لے کر آیا ہے۔

بہاء اللہ نے بابی تحریک میں شامل ہونے کے بعد اپنا نام تبدیل کیا۔ یہ تحریک 1844ء میں شیراز کے رہنے والے ایک پچیس سالہ شخص سید مرزا علی محمد نے شروع کی اور اپنا لقب باب یعنی دروازہ رکھا۔ اس نے مہدی الزماں کا دعویٰ کیا۔ اس کی یہ تحریک ایرانی بادشاہت میں بہت تیزی سے پھیلی لیکن اسلامی حلقوں کی جانب سے اسے شدید مخالفت اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ 1850ء میں تیس سالہ باب کو فائرنگ اسکواڈ نے گولی مار کر ہلاک کردیا اور 1852-53ء تک اس پوری تحریک کا صفایا کردیا گیا۔

عثمانی بادشاہت نے بہاء اللہ کو ایران بدر کرکے فلسطین بھیج دیا جہاں وہ 1879ء سے 1892ء تک قید رہا۔ یہ تمام عرصہ اس نے عکہ شہر کے مضافات میں مینشن آف بہاجی میں گزارہ۔ 9 مئی 1892ء کو اسے ہلکا سا بخار ہوا جو رفتہ رفتہ شدید ہوتا گیا اور بالآخر 29 مئی 1892ء کو اس کا انتقال ہوگیا۔ اسے اس کی رہائش گاہ کے قریب دفن کیا گیا۔ یہ علاقہ آج کل اسرائیل میں شامل ہے۔

بہاء اللہ نے درجنوں کتابیں، کتبے اور دعائیں تحریر کی ہیں جن میں سے بعض کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس نے ہزاروں کتبے تحریر کیے جو پرانا.... مقدس عہدنامہ سے 15 گنا زیادہ طویل ہیں۔

سیون ویلیز (ہفت وادی) اسی بہاء اللہ کی تصنیف ہے۔ یہ دو کتابیں ہفت وادی اور چہار وادی کا مجموعہ ہے لیکن ان دو کتابوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔ لیلیٰ مجنوں کا تذکرہ اسی ہفت وادی کے ایک حصے ''وادی محبت'' میں کیا گیا ہے۔

1800ء کے اوائل میں لیلیٰ مجنوں کی داستان کو پہلی مرتبہ انگریزی میں ترجمہ کیا گیا۔ یہ ترجمہ ایک برطانوی مصنف، محقق آئزک ڈی اسرائیلی نے کیا۔ وہ ایک یہودی تاجر بنجمن ڈی اسرائیلی (1730ء سے 1816ء) کا اکلوتا بیٹا تھا۔ وہ 11 مئی 1766ء کو پیدا ہوا جبکہ اس کا انتقال انفلوئنزا کے باعث 19 جنوری 1848ء کو ہوا۔ آئزک ڈی اسرائیلی نے 1799ء میں رومانسز کے عنوان سے لیلیٰ مجنوں کا ترجمہ کیا جو اگلے برس کے اوائل میں شائع ہوا۔

اسی طرح 12 اکتوبر 1875ء کو پیدا ہونے والے برطانوی مصنف، محقق، مہم جو، شاعر، ڈراما نگار، ماہر علم نجوم، شطرنج کے کھلاڑی اور ممکنہ جاسوس الیسٹر کرولی نے بھی لیلیٰ کو اپنی کتاب ''بک آف لائز'' میں استعمال کیا۔ یہ مذہبی مضامین کی ایک کتاب تھی جو 1912ء یا 1913ء میں تحریر کی گئی۔ الیسٹر کرولی کا انتقال یکم دسمبر 1947ء کو ہوا۔

ممتاز محقق ڈاکٹر روڈلف گیلی پیک کے مطابق ایرانیوں، ہندوستانیوں اور ترکوں نے نظامی گنجوی کی تخلیق کو سامنے رکھ کر اپنی اپنی لیلیٰ مجنوں تخلیق کی۔ فارسی محقق حکمت کے مطابق فارسی کے کم و بیش چالیس اور ترکی زبان کے تیرہ شعرا نے اپنے اپنے انداز میں لیلیٰ مجنوں کا قصہ تخلیق کیا۔ واحد دستگیری نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اگر کسی کو دنیا کی تمام لائبریریوں تک دسترس حاصل ہو تو اسے مختلف زبانوں اور انداز میں تحریر کیے گئے لیلیٰ مجنوں کے ایک ہزار سے زائد نثری اور شعری قصے مل جائیں گے۔ محققین اس امر پر متفق ہیں کہ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں جس کے ادب میں لیلیٰ مجنوں کی داستان شامل نہ ہو۔ اردو غزلیات اور جنوبی ایشیا کی دیگر اصناف سخن میں تو لیلیٰ مجنوں کو بہ طور خاص موضوع بنایا جاتا ہے۔

نظم و نثر کی کتابوں کے علاوہ بھی لیلیٰ اور مجنوں کا تذکرہ جا بہ جا دکھائی دیتا ہے جو ان کرداروں کی شہرت اور اثر و نفوذ کی منہ بولتی مثال ہے۔

افغان مصنف خالد حسینی نے اپنی کتاب A THOUSAND SPLENDID SUNS میں اکثر جگہوں پر لیلیٰ اور طارق کو لیلیٰ مجنوں سے تشبیہ دی ہے۔

تاشقند (ازبکستان) کے الیشر ناوؤئی میٹرو اسٹیشن کے ایک حصے میں لگے نیلے اور سبز ٹائلز، لیلیٰ اور مجنوں کی لازوال داستان کی نمائندگی کرتے ہیں۔

30 مارچ 1945ء کو پیدا ہونے والے برطانوی گٹارسٹ، گلوکار، نغمہ نگار اور کمپوزر ایرک پیٹرک کلپٹن کے سب سے مشہور گانے کا نام ''لیلیٰ'' ہے۔

کلپٹن نے 1970ء کے آغاز میں بوبی وائٹ لاک، کارل رڈل اور جم گورڈن کے ساتھ مل کر ڈیرک اینڈ ڈومینز نامی راک بینڈ بنایا۔ اسی سال اس بینڈ کا واحد اسٹوڈیو البم ریلیز ہوا جس کا نام LAYLA AND OTHER ASSORTED LOVE SONGS تھا۔ مارچ 1972ء میں اس البم کے گانے لیلیٰ نے عالمگیر شہرت حاصل کی اور عرصہ دراز تک امریکا اور برطانیہ کے ٹاپ ٹین گانوں میں شامل رہا۔

یہ گیت کلپٹن نے اپنے دوست جارج ہیری سن کی بیوی اور اپنی محبوبہ پیٹی بائیڈ ہیری سن کے لیے لکھا اور اس کا نام لیلیٰ رکھا جبکہ اس میں ''آئی ایم یورز'' کا جملہ براہ راست قیس یعنی مجنوں کی شاعری سے لیا گیا۔

ہندوستان اور پاکستان میں لیلیٰ مجنوں پر کئی فلمیں بنائی گئیں۔ اس سلسلے کی پہلی فلم 1922ء اور دوسری 1927ء میں منظرِ عام پر آئی ... یہ دونوں خاموش فلمیں تھیں۔ 1931ء میں لیلیٰ مجنوں پر پہلی بولتی فلم بنائی گئی۔ 1949ء میں ہدایت کار رام کرشن راؤ نے ''لیلیٰ مجنوں'' بنائی۔ اردو زبان کی اس فلم میں مجنوں کا کردار بھانومتی رام کرشن نے اور لیلیٰ کا کردار سیتا رام انجانیلو نے ادا کیا۔ اسی سال اس فلم کو تامل زبان میں بھی بنایا گیا۔ اس کے بعد 1962ء میں پی بھاسکرن نے ملیالم زبان میں ''لیلیٰ مجنوں'' بنائی لیکن 1976ء میں بننے والی ''لیلیٰ مجنوں'' نے سب سے زیادہ شہرت حاصل کی۔ ہرنام سنگھ راول کی اس فلم میں رشی کپور نے مجنوں اور ایک نئی اداکارہ رنجیتا کور نے لیلیٰ کا کردار ادا کیا۔ اس فلم کے گانے بے حد مشہور ہوئے۔

پاکستان میں 1957ء میں لیلیٰ مجنوں پر دو فلمیں بنائی گئیں۔ ان میں سے ایک کا نام ''عشق لیلیٰ'' اور دوسری کا ''لیلیٰ مجنوں'' تھا۔ عشق لیلیٰ میں سنتوش کمار نے مجنوں اور صبیحہ خانم نے لیلیٰ کا کردار ادا کیا۔ اس فلم کے گانے آج بھی زبانِ زدِ عام ہیں۔ لیلیٰ مجنوں میں اسلم پرویز نے مجنوں اور بہار بیگم نے لیلیٰ کا کردار نبھایا۔ 1974ء میں ''لیلیٰ مجنوں'' کے نام سے ایک اور فلم بنائی گئی جس میں اداکارہ رانی نے لیلیٰ اور وحید مراد نے مجنوں کا کردار ادا کیا۔ اس کے گانے بھی بے حد مشہور ہوئے۔

1980ء میں ہندوستانی فلم ''قربانی'' میں لیلیٰ کے نام سے ایک گانا فلم بند کیا گیا جبکہ 2007ء میں اداکارہ مادھوری ڈکشٹ نے لیلیٰ مجنوں کی کہانی کو اپنی فلم ''آجا نچ لے'' کے لیے بھی استعمال کیا۔

عربی ثقافت میں لیلیٰ مجنوں کی محبت کو ''حب عذری'' یا VIRGIN LOVE کہا جاتا ہے کیونکہ اس قسم کی محبت میں رومانوی جوڑے آپس میں شادی کرپاتے ہیں اور نہ ہی ان کے مابین جسمانی تعلقات استوار ہوتے ہیں۔ عرب کی دیگر ورجن لو اسٹوریز (حب عذری) میں قیس ولبنیٰ، کوثیر وعزا، مروئی والمجنون الفرانسی اور انتارا و ابالہ خاصی شہرت کی حامل ہیں۔

انگریزی زبان میں لیلیٰ مجنوں کو STAR CROSSED LOVERS (اسٹار کراسڈ لورز) قرار دیا جاتا ہے۔ انگریزی میں یہ اصطلاح ان جوڑوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے جو خلاف فطرت نہایت بچپن سے ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہوجاتے ہیں یا ایک دوسرے کی قسمت میں لکھ دیے جاتے ہیں لیکن ستارے کبھی انہیں جائز طریقے سے ایک دوسرے سے ملنے نہیں دیتے یا ان کا کبھی ملاپ ہی

Uploaded By Muhammad Nadeem

Uploaded By Muhammad Nadeem

نہیں ہونے دیتے۔

اس اصطلاح کا تعلق بنیادی طور پر علم نجوم سے ہے کیونکہ عام طور پر یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ ستاروں کی چال انسانی قسمت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اسٹار کراسڈ تعلق کو بیان کرنے کے لیے عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ ایک ستارے کو دوسرے ستارے سے تکلیف پہنچ رہی ہے یا پہنچائی جارہی ہے۔ اسے آڑا ترچھا کیا جارہا ہے یا یوں کہہ لیں کہ ستارے، تعلق کی مخالف سمت سفر کررہے ہیں۔

STAR CROSSED LOVERS کی اصطلاح پہلی مرتبہ ولیم شیکسپیئر کے ڈرامے ''رومیو اینڈ جیولیٹ'' میں استعمال کی گئی۔ آپ اسے دو ایسے بدقسمت افراد کا مقدر بھی کہہ سکتے ہیں جن کے راستے جدا ہوتے ہیں یا کبھی ایک دوسرے سے نہیں مل پاتے۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ محبت کرنے والے دونوں افراد کی کوئی سوچ یا منزل نہیں ہوتی بلکہ وہ نتائج سے بے پروا ہوکر اندھا دھند ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے بارے میں کچھ زیادہ جانتے بھی نہیں اور نہ ہی کوئی بیرونی سوچ ان کی اپنی سوچ پر اثر انداز ہوسکتی ہے۔

اسٹار کراسڈ لورز کے زمرے میں جو لوگ آتے ہیں ان میں اولین نام سر لینسی لاٹ (لینس لاٹ ڈیولیک) کا ہے جو چھٹی صدی عیسوی کے افسانوی برطانوی بادشاہ آرتھر کا نہایت قابلِ اعتماد اور عظیم جرنیل تھا۔ لینس لاٹ نے شاہ آرتھر کی فتوحات میں نہایت نمایاں کردار ادا کیا جس کی وجہ سے شاہ اس پر اندھا اعتماد کرتا تھا لیکن وہ شاہ آرتھر کی بیوی اور شریک ملکہ گوئن ویری سے محبت کرتا تھا۔ بات صرف معاشقے تک محدود نہیں تھی بلکہ لینس لاٹ اور گوئن ویری میں باقاعدہ ناجائز تعلقات بھی تھے۔

کہا جاتا ہے کہ ابتدا میں شاہ آرتھر کو علم ہی نہ تھا کہ اس کی بیوی اور وفادار جرنیل کے مابین معرکے کا عشق چل رہا ہے لیکن ایک دعوت نے دونوں کی پول کھول دی۔ شاہ کو اپنی بیوی کی ضرورت محسوس ہوئی تو پتا چلا کہ ملکہ گوئن ویری کے ساتھ ساتھ سر لینسی لاٹ بھی دعوت سے غائب ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ شاہ آرتھر کے بہنوئی اور ناروے کے بادشاہ لاٹ کے بیٹوں اگیری ویان اور مورڈریڈ نے اس معاشقے کا انکشاف کیا تھا۔

دونوں کی تلاش شروع ہوئی، اس دوران لینسی لاٹ تو فرار ہوگیا لیکن ملکہ گوئن ویری پکڑی گئی جسے شاہ آرتھر نے نہایت بھاری دل کے ساتھ زندہ جلا دینے کی سزا سنائی۔

دونوں کا باہمی تعلق اتنا مضبوط تھا کہ شاہ کو یقین تھا کہ لینسی لاٹ اور اس کا خاندان ملکہ کی موت کو روکنے کی کوشش کرے گا چنانچہ اس نے چتا کی حفاظت کے لیے اپنے بہت سے بہادر ناٹس کو روانہ کیا۔

شاہ آرتھر کے بھتیجے نائٹ گیوین نے چتا کی حفاظت کے لیے جانے سے انکار کردیا لیکن لینس لاٹ نے اپنی محبوب کو بچاتے ہوئے جب گیوین کے دو بھائیوں کو قتل کردیا تو اس نے اپنے چچا کو لینس لاٹ کے خلاف جنگ پر اکسایا جو گوئن ویری کو لے کر فرانس چلا گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ شاہ آرتھر کے بھانجے نے اس تمام قضیے میں دہرا کردار ادا کیا۔ ایک جانب تو اس نے اپنی ممانی کے تعلقات کی بابت اپنے ماموں کو بتایا جبکہ دوسری جانب وہ ممانی کا خیر خواہ بھی بنا رہا۔ لینسی لاٹ بھی اسے اپنا ہمدرد سمجھتا تھا۔

اسی لیے جب شاہ آرتھر، لینسی لاٹ کے خلاف جنگ کے لیے فرانس پہنچا تو لینسی لاٹ نے گوئن ویری کو جنگ ختم ہونے تک مورڈریڈ کی حفاظت میں دے دیا لیکن کہا یہ جاتا ہے کہ مورڈریڈ نے خود ملکہ گوئن ویری سے شادی کرکے آرتھر کا تخت حاصل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ گوئن ویری نے مورڈریڈ کی پیشکش قبول کرلی جبکہ کچھ کے مطابق وہ پہلے ٹاور آف لندن میں چھپ گئی اور بعدازاں ایک کانونٹ میں پناہ لے لی۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد گوئن ویری صرف ایک بار لینسی لاٹ سے ملی اور پھر ہمیشہ کے لیے واپس کانونٹ چلی گئی۔

بعض روایات میں ہے کہ لینسی لاٹ نے گوئن ویری کو اغوا کرکے اپنی محبوبہ بنایا تھا جبکہ وہ اس سے پہلے بھی ایک دشمن بادشاہ میلواس کے ہاتھوں اغوا ہوکر اس کی محبوبہ رہ چکی تھی۔

اسی طرح کی ایک کہانی ٹرسٹان اور سیولٹ (جسے ایزولٹ بھی کہا جاتا ہے) کی ہے۔ سیولٹ، آئرلینڈ کی شہزادی اور ٹرسٹان، برطانیہ کے بادشاہ مارک کا بھتیجا اور اس کا وفادار نائٹ تھا۔ ٹرسٹان، آئرش نائٹ مورہولٹ کو شکست دینے کے بعد آئرلینڈ جاتا ہے تاکہ وہاں سے سیولٹ کو بہ حفاظت برطانیہ لاکر اس کی شادی اپنے چچا شاہ مارک سے کرا سکے۔

واپسی کے سفر میں حادثاتی طور پر ٹرسٹان اور سیولٹ ایک ایسا مشروب پی لیتے ہیں جس کی وجہ سے دونوں میں جسمانی تعلقات استوار ہوجاتے ہیں۔ دورانِ سفر ہی یہ تعلقات، جنونی محبت میں تبدیل ہوجاتے ہیں لیکن دونوں اسے خفیہ رکھتے ہیں۔ سیولٹ کی شادی شاہ مارک سے ہوجاتی

ہے لیکن ٹرسٹان کے ساتھ اس کے تعلقات ختم نہیں ہوتے۔

بالآخر ایک دن دونوں رنگے ہاتھوں پکڑے جاتے ہیں اور تحقیق سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تعلقات کی ابتدا نشے کی حالت میں ہوئی تھی لیکن جرم یہ تھا کہ نشہ اترنے کے بعد بھی دونوں اپنی روش پر قائم رہے۔ بادشاہ کے مشیروں نے اسی بنیاد پر بارہا انہیں اس بدکرداری کی سزا دلوانا چاہی لیکن وہ دونوں ہر مرتبہ اپنی چال بازیوں سے بچ نکلتے۔

اس تکون کا ایک دلچسپ پہلو یہ تھا کہ سیولٹ، ٹرسٹان اور شاہ مارک، تینوں ہی ایک دوسرے سے بے تحاشا محبت کرتے تھے۔

ٹرسٹان اپنے منہ بولے باپ، آقا اور بادشاہ کی حیثیت سے مارک سے پیار کرتا تھا۔ سیولٹ اس لیے مارک کی شکر گزار تھی کہ وہ اس کے ساتھ مہربانی و شفقت سے پیش آتا تھا حالانکہ وہ ٹرسٹان کی وفادار تھی۔ شاہ مارک، ٹرسٹان کو اپنا بیٹا اور سیولٹ کو بیوی سمجھتا تھا لیکن ہر رات وہ تینوں اپنے اپنے مستقبل کے حوالے سے نہایت ڈراؤنے خواب دیکھتے۔

شاہ مارک کا خیال تھا کہ ملکہ سیولٹ سے شادی سے پہلے جو غلطی ہوئی تھی، اب وہ اس سے تائب ہوچکی ہے لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی۔ ایک رات چچا نے اپنے بھتیجے اور بیوی کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ ٹرسٹان کو تو فوری طور پر پھانسی کی سزا سنائی گئی لیکن سیولٹ کو قید کردیا گیا۔ ٹرسٹان کسی نہ کسی طور جیل خانے سے بھاگ نکلا اور سیولٹ کو رہائی دلا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ دونوں ایک جنگل میں جا چھپے لیکن مارک نے انہیں ڈھونڈ نکالا، ٹرسٹان نے ایک معاہدے کے تحت سیولٹ، مارک کو واپس کردی اور خود ملک چھوڑ کر چلا گیا۔ بعض روایات میں ٹرسٹان کی موت کا ذکر ہے جبکہ کچھ میں سیولٹ کے مارے جانے کا تذکرہ ہے۔

یونانی اور رومی دیومالا میں کئی کراسڈ اسٹار زمحبتوں کے تذکرے موجود ہیں جن میں ہیرو اور لینڈر، پیلیاس اور میلی سینڈ، ٹرائلس اور کریسیڈا، وینس اور ایڈونیس وغیرہ شامل ہیں۔

ان کے علاوہ پیرس آف ٹرائے اور ہیلن آف اسپارٹا، مارک انطونی اور کیلوپیٹرا، کاؤنٹ ڈریکولا اور میناہارکر، سائے رینو اور روکسین، ہیر رانجھا، دیوداس اور پارو کی فرضی کہانی۔ جہانگیر اور انارکلی کی فرضی داستان اور لیلیٰ مجنوں کو بھی کراسڈ اسٹار زلواسٹوریز میں شامل کیا جاتا ہے۔

علم صرف کے اعتبار سے عربی اور عبرانی زبان میں لیلیٰ کا لفظ رات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے یا ایسے فرد کے لیے کہا جاتا ہے جو رات کے وقت کام کرتا ہے اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اسٹار کراسڈ لورز کی محبتوں کو عموماً چھپایا اور خفیہ رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح فارسی اور عربی میں مجنوں کے معنی پاگل کے ہیں۔ قیس چونکہ ''لیلیٰ کا پاگل'' یا ''لیلیٰ کا دیوانہ'' تھا اس لیے اسے مجنوں کہا گیا۔ ترک زبان میں ''لیلیٰ کی طرح'' کے معنی مکمل طور پر دیوانگی کے ہیں یا اس سے مراد یقینی طور پر ایسا شخص لیا جاتا ہے جو بری طرح محبت میں گرفتار ہو۔

بعض محققین لیلیٰ کے عربی معانی کے طور پر بیان کرتے ہیں کہ لیلیٰ کا رنگ سانولا یا گہرا سانولا تھا اس لیے اس کا نام لیلیٰ رکھا گیا تھا۔ ان کا اعتراض ہے یا وہ حیرت زدہ ہیں کہ قیس بھلا ایک سانولی یا گہری سانولی لڑکی پر کیوں کر عاشق ہوگیا۔ قیس اگر زندہ ہوتا تو یقیناً ان محققین کو منہ توڑ جواب دیتا لیکن ہم تو صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ محبت، رنگ و نسل اور مذہب و ملت کی قید سے آزاد ہوتی ہے۔

لیلیٰ اور مجنوں کی داستان تو ایک ہے جس کا نام محبت ہے لیکن اس کے حالات و واقعات میں خاصا فرق پایا جاتا ہے۔ تاریخی شواہد کی روشنی میں یہ قیس ابن الملوح ابن مزاحم اور لیلیٰ بنت مہدی ابن سعد کی ایک حقیقی داستانِ محبت ہے جسے مجنوں لیلیٰ، قیس و لیلیٰ اور لیلیٰ و مجنوں کے مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دونوں کا تعلق ایک ہی قبیلے سے تھا اور وہ بھی عرب سے باہر نہیں گئے۔ سعودی عرب کے شہر الخفوف میں ایک مزار بھی واقع ہے جسے لیلیٰ مجنوں کا مزار کہا جاتا ہے۔

لیکن ہندوستان میں ایک طبقہ ایسا بھی ہے جسے سو فیصد یقین ہے کہ لیلیٰ اور مجنوں نے اپنی زندگی کی آخری سانسیں سرزمینِ ہندوستان کی ریاست راجستھان کے ایک گاؤں میں گزاری تھیں۔ لیلیٰ اور مجنوں کی قبریں بھی ضلع سری گنگا نگر میں انوپ گڑھ کے قریب بجنور نامی گاؤں میں بتائی جاتی ہیں۔ وہاں کی دیہاتی روایتوں کے مطابق لیلیٰ اور مجنوں عرب کے صحراؤں سے فرار ہوکر یہاں پہنچے تھے۔ ان کی قبروں پر ہر سال جون کے مہینے میں دو روزہ میلا لگتا ہے جہاں رات گزارنے کا کوئی بندوبست نہ ہونے کے باوجود پاکستان اور ہندوستان کے سیکڑوں نوبیاہتا جوڑے اپنی آئندہ زندگی کی بہتری کے لیے حاضری دیتے ہیں اور اکثر رات کو قیام بھی کرتے ہیں۔

قیس اور لیلیٰ کا تعلق خانہ بدوش قبیلے بنو عامر بن صدصہ سے تھا جس کا شمار وسطی اور جنوب مغربی عرب کے بڑے اور قدیم قبائل میں کیا جاتا تھا لیکن اسلام کی روشنی پھیلنے کے بعد

Uploaded By Muhammad Nadeem

Upload By Muhammad Nadeem

صدیوں سے یہ جزیرہ نمائے عرب کے شمالی حصے نجد میں آباد تھا۔ اس قبیلے کا شجرۂ نسب ہوازن کے حوالے سے عدنان سے جاملتا ہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد میں سے تھا۔ بنو عامر کا آبائی وطن بشا کے نزدیک نجد اور حجاز کا درمیانی علاقہ تھا۔

اسلام سے پہلے بنو عامر اور قبیلہ قریش (جو ان کا قریبی رشتے دار بھی تھا) کے درمیان طویل اور خوں ریز جنگیں لڑی گئیں لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت ملنے کے فوری بعد بنو عامر نے نہ صرف اسلام قبول کرلیا بلکہ سرکار انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے جانشینوں کے ساتھ مکمل یکجہتی اور اخوت کا اظہار بھی کیا۔

بنو عامر کا شمار ان قبائل میں ہوتا ہے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد رد یعنی تکذیب نبوت میں حصہ نہیں لیا اور بنو حنفیہ جیسے قبائل کے خلاف مسلمانوں کا بھرپور ساتھ دیا۔ اس دور میں اس قبیلے سے بڑے نامور عربی شعرا پیدا ہوئے جن میں سے لبید ابن ربیعہ نے خاصی شہرت حاصل کی۔ لبید سات معلق نظموں میں سے ایک کا خالق تھا۔ دیگر شعرا میں عامر ابن ال طفیل ایک اہم قبائلی سردار الرعیال نومیری جو جریر کا مخالف تھا اور ایک خاتون لیلیٰ ال اخلیہ شامل تھے۔

عرب تاریخ بنو عامر کو قبائل کی کنفیڈریشن قرار دیتی ہے۔ بنو عامر کی چار مرکزی شاخوں میں بنو کعب، بنو ہلال (شمالی افریقا) بنو نومیر اور بنو کلدب (میرداسی خاندان، شام کا بانی) شامل تھے۔ بنو کعب کی چار ذیلی شاخیں تھیں جن کے نام بنوال ہرعیش، بنو توشیر، بنو عقیل (یہ مشرقی عرب کے جابری خانوادے اور شمالی عراق کے عقیلی خانوادے کا مرکزی قبیلہ تھا) اور بنو جعدہ تھے۔

بنو کلدب بھی ایک خانہ بدوش قبیلہ تھا جو مغربی نجد میں رہائش پذیر تھا۔ بنو عامر کے ساتھ اس کا اتحاد قبل از اسلام ہوگیا تھا۔ دیگر عامری قبیلوں کی طرح اس قبیلے نے بھی مشرقی عرب میں قرامطی تحریک کا ساتھ دیا لیکن جب قرامطیوں کا خاتمہ ہوگیا تو انہوں نے وسطی عرب میں طاقت وقوت حاصل کرلی۔ بعدازاں یہ قبیلہ شمال کی جانب شام تک منتشر ہوگیا۔ اس کے بعض خاندان مقامی لوگوں میں ضم ہوگئے اور کچھ نے خاموشی کے ساتھ وہیں علیحدہ رہائش اختیار کرلی۔

بنو عامر کی ایک اور شاخ بنو نومیر تھی جس کی زیادہ تعداد خانہ بدوشوں پر مشتمل تھی۔ یہ ال یمامہ کی مغربی سرحدوں کے پاس آباد اور امویوں کے اتحادی تھے۔ جب نویں صدی عیسوی میں عباسیوں نے ان کے خلاف فوجی مہم جوئی کی تو یہ لوگ ال یمامہ سے عراق چلے گئے تاکہ دریائے فرات کے کنارے آباد ہوسکیں۔

بنو کعب، بنو عامر کا سب سے بڑا قبیلہ اور چار حصوں میں تقسیم تھا۔ اس کی شاخوں کے نام بنو عقیل، بنو جعدہ، بنو قشیر اور ال ہریش تھے۔ یہ تمام کے تمام ال یمامہ کے رہائشی تھے تاہم ان کی زیادہ تعداد جنوبی حصوں میں آباد تھی۔ ان میں سے کچھ خانہ بدوش تھے جبکہ بعض باقاعدہ آبادیوں میں رہتے اور کاشت کاری کرتے تھے۔ ان چاروں میں سے بنو عقیل سب سے بڑی اور طاقت ور شاخ تھی۔ پانچویں صدی ہجری میں عباسی عہد کے آخری دور میں بنو عقیل کے بدوؤں نے شمالی عراق ہجرت کی اور موصل میں عقیلی خانوادے کی بنیاد رکھی۔ بعدازاں یہ قبیلہ واپس عرب جاکر صوبہ بحرین میں آباد ہوا جہاں ان کے خافیجہ عبادہ اور المشقق عہد نے خاصا عروج حاصل کیا۔

کعب کی دیگر شاخوں نے کچھ عرصے بعد ال یمامہ سے ہجرت کرکے خلیج فارس کے دونوں کناروں پر آباد ہونا شروع کردیا۔ یہ شاخیں اب بنی کعب کہلاتی ہیں اور زیادہ تر ایرانی علاقے اہواز میں آباد ہیں۔

بنو ہلال، غالباً بنو عامر کا سب سے مشہور قبیلہ تھا۔ یہ مصر کے فاطمی خلفا کے حلیف تھے چنانچہ گیارہویں صدی عیسوی میں یہ لوگ شمالی افریقا پر حملہ آور ہونے سے پہلے بالائی مصر میں آباد ہوئے۔ شمالی افریقا میں اسی قبیلے نے عرب ثقافت کی بنیاد رکھی اور اسے پروان چڑھایا۔

عراق کے عقیلی قبائل کے علاوہ نجد کے سوہول اور بنی خالد کی بعض شاخیں بھی بنو عامر کو ہی اپنا جد امجد قرار دیتی ہیں۔

لیلیٰ کے پاگل، مجنوں لیلیٰ، قیس ولیلیٰ، لیلیٰ ومجنوں اور لیلیٰ المجنوں کے مختلف ناموں سے مشہور مشرق وسطیٰ کی کلاسیکل رومانوی داستان کے روح رواں قیس ابن الملوح کا تعلق اسی قبیلہ بنو عامر سے تھا۔ اس نوجوان کی یہ سچی داستان اموی دور حکومت میں ساتویں صدی عیسوی کے دوران وقوع پذیر ہوئی۔

عربی میں اس داستان کے دو مختلف انداز ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ قیس اور لیلیٰ نے اپنا بچپن ایک ساتھ گزارہ جبکہ دوسری کہانی کے مطابق قیس نے اچانک ہی کہیں لیلیٰ کو دیکھا اور بری طرح اس پر فریفتہ ہوگیا۔ تاہم دونوں روایات میں یہ بات یکساں ہے کہ جب لیلیٰ کے والد نے اپنی بیٹی کی شادی اس سے کرنے سے انکار کردیا تو وہ پاگل ہوگیا جس وجہ سے اسے مجنوں یا مجنوئے لیلیٰ (یعنی لیلیٰ کو دیکھ کر پاگل

ہونے والا) کا خطاب دیا گیا۔

مختلف روایات میں سے ایک یہ ہے کہ قیس ابن الملوح ابن مزاحم بنو عامر کے خانہ بدوش قبیلے کا شاعر تھا جو اپنے ہی قبیلے کی لیلیٰ بنت مہدی ابن سعد جسے لیلیٰ العامریہ بھی کہا جاتا ہے کی محبت میں گرفتار ہوگیا۔ اس نے لیلیٰ کی محبت میں نظمیں کہنی شروع کردیں جن میں بسا اوقات لیلیٰ کا نام بھی شامل ہوتا تھا۔ جب اس نے لیلیٰ کے باپ سے اس کا ہاتھ مانگا تو انکار کردیا گیا کیونکہ باپ کی نظر میں اس طرح عرب روایات میں لیلیٰ کی بدنامی ہوتی۔ اس واقعے کے کچھ ہی عرصے بعد کسی اور شخص سے لیلیٰ کی شادی کردی گئی۔

جب قیس کو لیلیٰ کی شادی کا علم ہوا تو وہ خانہ بدوش بستی سے بھاگ نکلا اور صحراؤں کی خاک چھاننے لگا۔ اس کے خاندان کو اس کی واپسی کی توقع تھی چنانچہ انہوں نے ٹھکانا بدلنے سے پہلے کچھ خوراک اس کے لیے چھوڑ دی لیکن قیس کبھی لوٹ کر نہ آیا۔ بعض شواہد ایسے ہیں جن میں اسے خودکلامی کے انداز میں شعر کہتے یا چھڑی کے ساتھ ریت پر کچھ لکھتے بتایا گیا ہے۔

لیلیٰ اپنے شوہر کے ساتھ عراق چلی گئی جہاں وہ بیمار پڑگئی اور بعدازاں انتقال کرگئی۔ بعدازاں قیس کو بھی صحرا میں مردہ پایا گیا۔

مورخین نے قیس کا سن وفات 688ء تحریر کیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ قیس کی لاش ایک نامعلوم عورت کی قبر کے قریب پائی گئی۔ اس نے قبر کے نزدیک ایک ریتیلی چٹان پر اپنی شاعری کے تین مصرعے لکھے ہوئے تھے جو اس سے منسوب شاعری کے بھی آخری تین مصرعے یا اشعار ہیں۔

قیس کے پاگل پن اور صحرانوردی کے دوران بھی کئی چھوٹے بڑے واقعات رونما ہوئے۔ اسی طرح جو شاعری اس سے منسوب ہے وہ بھی اس کے پاگل ہونے اور صحرا میں نکل جانے سے پہلے کی ہے۔

لیلیٰ کے حوالے سے جو نظمیں قیس سے منسوب کی جاتی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے۔

میں جن دیواروں کے پاس سے گزرتا ہوں، وہ لیلیٰ کی دیواریں ہیں

میں کبھی ایک دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی دوسری کو

لیکن ایسا نہیں ہے کہ میرے دل میں ان گھروں کے لیے کوئی محبت ہے

بلکہ میری محبت اس کے لیے ہے جو ان میں سے کسی ایک گھر میں رہتی ہے

ایک کہانی کے مطابق لیلیٰ اور مجنوں کی پہلی ملاقات مدرسے میں ہوئی جہاں دونوں ہم درس تھے۔ قیس یعنی مجنوں پہلی نظر میں ہی لیلیٰ کا دیوانہ ہوگیا۔ مدرس، مدرسے کے کام کے برعکس اور پڑھائی میں دلچسپی لینے کے بجائے لیلیٰ پر توجہ دینے کے باعث قیس کو مارتا لیکن یہ عجیب ہوتا کہ پٹتا مجنوں لیکن خون لیلیٰ کے زخموں سے ٹپکتا۔

محبت کی یہ داستان جب ان کے گھر والوں تک پہنچی تو ان میں دشمنی کی ابتدا ہوگئی۔ لیلیٰ کا گھر سے نکلنا بند کردیا گیا اور مجنوں کو پابند کردیا گیا کہ وہ لیلیٰ کے خیموں کی جانب نہیں جائے گا۔ جانے کتنے برس اس فراق میں گزر گئے کہ جوانی میں ایک بار پھر ان کا آمنا سامنا ہوگیا۔ بچپن کی محبت رنگ لائی اور دونوں نے زیادہ دیوانگی سے ایک دوسرے کو چاہنا شروع کردیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ یک جان دو قالب کی عملی تصویر ہیں۔

قیس، لیلیٰ کی محبت میں نیم پاگل ہوگیا کیونکہ اس کے دل و دماغ سے لیلیٰ اترتی ہی نہیں تھی۔ بیٹے کی حالت دیکھ کر باپ، لیلیٰ کا رشتہ مانگنے گیا لیکن لیلیٰ کے باپ نے انکار کردیا۔ دوسری جانب لیلیٰ کا بھائی تبریز بھی نہیں چاہتا تھا کہ لیلیٰ، قیس سے شادی کرکے خاندان کی رسوائی کا باعث بنے۔

اس مخالفت نے تبریز اور قیس کو ایک دوسرے کا دشمن بنادیا اور دونوں لڑنے مرنے پر تیار ہوگئے۔ بالآخر ایک روز ان کا آمنا سامنا ہوگیا۔ تبریز تو عام سا انسان تھا لیکن قیس میں لیلیٰ کی محبت نے ایک جنون سا پیدا کررکھا تھا۔ دونوں میں خوں ریز معرکہ ہوا جس میں تبریز مارا گیا۔

جب یہ خبر قبیلے والوں تک پہنچی تو قیس کو گرفتار کرلیا گیا۔ پنچائیت نے تبریز کے قتل کے جرم میں قیس کو سنگسار کرنے کا فیصلہ سنایا کیونکہ قیس نے لیلیٰ سے محبت کے ساتھ ساتھ تبریز کے قتل کا اعتراف کرتے ہوئے برملا کہا کہ اسے اس جرم میں جو سزا بھی دی جائے گی، وہ قبول کرے گا۔

لیکن لیلیٰ کو قیس کی موت برداشت نہ تھی۔ وہ بھائی کے بدلے قیس کو موت کی سزا دیے جانے کے حق میں نہیں تھی لیکن اسے بھائی کا خون معاف کرنے کا اختیار بھی نہ تھا۔ اس نے اپنے باپ سے کہا کہ وہ قیس کے ساتھ شادی سے دستبردار ہوتی ہے لیکن کسی اور سے وہ صرف اسی صورت میں شادی کرے گی کہ قیس کو جلاوطن کردیا جائے۔ اس کی سزا معاف کردی جائے اور اسے پابند کردیا جائے کہ وہ دوبارہ کبھی قبیلے میں واپسی کی جرأت نہ کرے۔

باپ نے چونکہ اپنا جوان بیٹا کھویا تھا اس لیے وہ ذہنی

Uploaded By Muhammad Nadeem

Upload By Muhammad Nadeem

طور پر قیس کو معاف کرنے کے لیے تیار نہ تھا لیکن دوسری طرف قیس اور لیلیٰ کی محبت کے افسانے اس قدر زبان زدِ عام تھے کہ وہ خود کو بے حد شرمندہ محسوس کرتا تھا۔ اگر قیس کو موت کی سزا سنادی جاتی یا اسے سنگسار کردیا جائے تو یہ رسوائی یقینی طور پر دوچند ہوجاتی لیکن اگر قیس کو جلاوطن کردیا جاتا تو کم از کم بے عزتی کی ہر وقت سر پر لٹکتی تلوار سے جان چھوٹ سکتی تھی۔ یہ سوچ کر اس نے بیٹی کی پیشکش اور شرط تسلیم کرلی۔

اس نے قبیلے والوں کو بتایا کہ وہ قیس کی جلاوطنی کی صورت میں بیٹے کے خون سے دستبردار ہوتا ہے۔ پنچائیت کو بھلا کیا اعتراض ہوسکتا تھا' انہوں نے قیس کے باپ کو آگاہ کیا۔ وہ فوری طور پر رضامند ہوگیا کہ بے شک بیٹا دور رہے گا اور وہ کبھی اسے دیکھ نہیں پائے گا لیکن یہ اطمینان تو ہوگا کہ وہ زندہ ہے۔ یہ سوچ کر اس نے بھی اس فیصلے کی حمایت کردی اور قیس کو جلاوطن کردیا گیا۔

کچھ عرصے بعد لیلیٰ کی شادی کردی گئی لیکن اس کے شوہر کو اس بات کا قطعی علم نہ تھا کہ اس کی بیوی کسی اور سے محبت کرتی ہے۔ دوسری جانب خود لیلیٰ کا یہ حال تھا کہ شادی کے باوجود اس کا دل قیس کے لیے ہی دھڑکتا تھا۔ وہ اس محبت کو چھپانا چاہتی تھی نہ چھپا سکی چنانچہ جب اس کے شوہر کو علم ہوا تو وہ قیس کی جان کے درپے ہوگیا۔ اس نے اپنے کچھ گھڑسواروں کو ساتھ لیا اور قیس کی تلاش میں صحرا کی جانب نکل گیا۔

اس کا خیال تھا کہ قیس سے جان چھڑا کر وہ لیلیٰ کی محبت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پالے گا۔ یہی سوچ کر اس نے اور اس کے ساتھیوں نے قیس کو ایک جگہ گھیر کر جان سے مار ڈالا لیکن کہا جاتا ہے کہ جس لمحے لیلیٰ کے شوہر کی تلوار کی نوک نے قیس کے دل کو چھوا وہاں سے کوسوں دور لیلیٰ اپنے گھر میں گر کر مرگئی۔ لیلیٰ نے قیس کا زخم اپنے دل پر لیا اور دونوں ایک ساتھ ہی اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔

لیلیٰ کے شوہر کو یہ علم ہی نہ تھا کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی تکلیف پہنچی تو دوسرا زندہ نہ رہ سکے گا۔ وہ قیس کے قتل کے بعد گھر پہنچا تو وہاں لیلیٰ کی موت کا ماتم برپا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اسے اپنے اس عمل پر ازحد تاسف ہوا لیکن اب کچھ بھی واپس نہ آسکتا تھا۔ دشمن کو وہ اپنے ہاتھوں مار آیا تھا اور بیوی اس کی وجہ سے زندگی کی بازی ہار گئی تھی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ لیلیٰ اور مجنوں کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا اور اس کے شوہر اور والدین نے مل کر اس قبر کو تیار کیا۔ افسانوں میں ہے کہ لیلیٰ اور مجنوں' ایک ساتھ خوش وخرم

ہیں..... لیکن کون جانے.....؟

ایک مصنف لیلیٰ مجنوں کے حوالے سے لکھتا ہے کہ عرب سردار شاہ عامری کے گھر جب بیٹا پیدا ہوا تو اس کا نام قیس رکھا گیا۔ وقت کے رسم ورواج کے مطابق شاہ عامری نے علم نجوم کے ماہرین کو بلایا تاکہ اپنے اکلوتے بیٹے کے مستقبل کے حوالے سے کچھ جان سکے۔ ماہرین نے ہر زاویے سے قیس کے مستقبل کا حساب لگایا لیکن جواب یہی ملا کہ بارہ سال کی عمر میں وہ اپنے ہوش وحواس سے بیگانہ ہوکر گھر چھوڑ دے گا۔ اس کا مقصد صرف صحراؤں کی ریت چھاننا ہوگا لیکن دنیا اسے اس کے پاگل پن کے باوجود محبت اور بے مثال چاہتوں کے حوالے سے ہمیشہ یاد رکھے گی۔

ماہرین جب اپنی پیش گوئی سے پوری طرح مطمئن اور متفق ہوگئے تو انہوں نے نہایت تلے الفاظ میں اسے شاہ عامری کے گوش گزار کردیا۔ شاہ عامری چونکہ ایک زیرک انسان تھا اس لیے وہ ماہرین علم نجوم کے ڈھکے چھپے الفاظ اور محتاط انداز کو بہ خوبی سمجھ گیا لیکن وہ یہ نہیں سمجھ پایا کہ کیا کرے۔ سوچ بچار کے بعد اس نے اپنے چند معتمد ساتھیوں اور قابلِ اعتماد دوستوں سے مشورہ کیا۔ انہوں نے شاہ عامری کو تجویز پیش کی کہ تدبیر سے تقدیر بدلی جاسکتی ہے لہٰذا آپ بھی یہی کریں۔

شاہ عامری چونکہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھا اور اس ناتے وہ جانتا تھا کہ صرف اللہ تعالیٰ کے حضور سربہ سجود ہوکر اور دعا مانگ کر ہی کچھ حاصل ہوسکتا ہے چنانچہ اس نے یہی کیا۔ وہ نہایت متمول سردار تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کے مستقبل کو محفوظ بنانے اور ماہرین علم نجوم کی پیش گوئی تبدیل کرنے کے لیے وہ سارے جتن کر ڈالے جو اس کے اختیار میں تھے۔ کہتے ہیں کہ شاہ عامری نے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیے۔ بڑے پیمانے پر خیرات کی۔ اس کے در سے کوئی مستحق خالی ہاتھ نہیں لوٹایا جاتا تھا لیکن اب اس نے اپنے خدمت گاروں کو حکم دیا کہ پہلے سے بڑھ کر غریبوں کی امداد ومعاونت کی جائے۔ اس نے اپنے بیٹے کے لیے صدقات دیے۔ قربانیاں دیں' منتیں مانگیں اور دعا کے لیے ہر اس جگہ پہنچا جہاں اسے بتایا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ خود اس نے بھی اللہ تعالیٰ کے حضور سربہ سجود ہوکر گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں کیں اور شب وروز اپنے بیٹے کی سلامتی اور خیر کا سوال کیا۔

لیکن اس کی ساری کوششیں بے سود ہوگئیں اور تقدیر کا لکھا ہوا مٹ نہ سکا۔

ایک آخری کوشش کے طور پر شاہ عامری نے قیس کو خود

سے جدا کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ خود تو ایک بدو قبیلے کا سردار تھا جو اپنے خانہ بدوشوں کے ساتھ خیموں میں رہتا تھا۔ ان کی زندگی کے کچھ دن کہیں گزرتے اور کچھ دن کہیں۔ جب کسی علاقے میں پانی' خوراک اور سبزے کی کمی ہوجاتی تو شاہ عامری اپنے قبیلے کے ساتھ کسی اور جگہ ہجرت کرجاتا لیکن اس کے پاس سیکڑوں اونٹ اور بھیڑ بکریاں تھیں جن کی وجہ سے نہ صرف اس کی گزر بسر ہوتی تھی بلکہ ہجرت کے باوجود زندگی نہایت پُرآسائش گزرتی تھی۔

قیس کی ماں کو جب علم ہوا کہ اس کے بیٹے کو کہیں اور بھیجا جارہا ہے تو اس نے آہ وبکا کے ساتھ احتجاج کیا لیکن جو شاہ عامری جانتا تھا وہ اس سے واقف نہ تھی۔ اس لیے شاہ نے اپنی بیوی کی مخالفت اور رونے دھونے کے باوجود قیس کو دمشق بھیج دیا۔ اس نے اپنے چند وفادار قبائلیوں کو قیس کے ہمراہ کیا اور انہیں سختی سے ہدایت کی کہ قیس کی ہر ممکنہ نگرانی کی جائے اور ایک لمحے کے لیے بھی اسے نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے۔

قبائلیوں نے اپنے سردار کی ہدایات پر بعینہٖ عمل کیا اور قیس کو شاہ کی خواہش کے مطابق دمشق میں مولوی شفیع اللہ کے مدرسے میں داخل کرادیا۔ یہ مدرسہ اپنی تعلیم کے حوالے سے نہایت شہرت رکھتا تھا اس لیے بچوں کے ساتھ ساتھ بچیاں بھی یہاں تعلیم حاصل کرتی تھیں۔ سب کے سب متمول گھرانوں کے بچے تھے اور تعلیم چونکہ مذہبی رنگ لیے ہوئے تھی اس لیے کسی کو اس مخلوط ذریعۂ تعلیم پر کسی قسم کا اعتراض بھی نہیں تھا۔

قیس نے بھی اپنے دوسرے ہم مکتبوں کی طرح دل لگا کر تعلیم حاصل کرنا شروع کردی۔ وہ پڑھنے لکھنے میں بے حد ہوشیار اور سبق یاد کرنے میں بے حد تیز تھا اس لیے مولوی شفیع اللہ کو اپنے اس نئے شاگرد سے کسی قسم کی کوئی شکایت یا پریشانی نہ تھی بلکہ جب انہوں نے قیس کا رجحان دیکھا تو انہوں نے اپنے دوسرے شاگردوں کی نسبت قیس پر زیادہ توجہ دینی شروع کردی۔ جلد ہی پورے مکتب میں مشہور ہوگیا کہ قیس' مولوی صاحب کا بے حد چہیتا اور پیارا ہے۔ کسی ایک آدھ نے اعتراض بھی کیا لیکن جب انہوں نے قیس کی کارکردگی دیکھی تو اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ الغرض دن رات سکون اور چین سے گزرتے رہے۔ قیس کے ساتھ آنے والے قبائلیوں نے بھی اپنے سردار کو تمام تفصیل سے آگاہ رکھا چنانچہ شاہ عامری بھی قدرے مطمئن ہوگیا۔

لیکن بالآخر اس پیش گوئی کے درست اور پورا ہونے کا وقت آپہنچا۔ تالاب کے پُرسکون پانی میں پہلا پتھر اس وقت گرا جب نجد کے ایک عرب سردار کی بیٹی لیلیٰ اس مدرسے میں داخل ہوئی۔ اسے بھی اس مدرسے کے بہترین تعلیمی معیار کی وجہ سے اس کے ماں باپ نے اتنی دور بھجوایا تھا۔ تب کسی کو بھی یہ علم نہ تھا کہ آنے والے دنوں میں کیا قیامت رونما ہونے جارہی ہے۔

حسنِ اتفاق دیکھیے کہ لیلیٰ صرف قیس کی ہم مکتب ہی نہیں ہم جماعت بھی تھی۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ کم سنی کے باوجود قیس نے جیسے ہی لیلیٰ کو دیکھا کسی ان دیکھی قوت نے اس کی ساری توجہ لیلیٰ کی جانب مبذول کردی اور وہ بری طرح اس پر فریفتہ ہوگیا۔ قیس عمر کے اس حصے میں تھا کہ شاید اسے محبت کے صحیح معانی بھی نہ آتے تھے لیکن وہ پہلے دن اور پہلی نظر سے ہی اس کی محبت کے سحر میں گرفتار ہوگیا۔ اس کی آنکھوں' سوچوں' خیالوں اور دھڑکنوں میں لیلیٰ نے ایسی جگہ بنائی کہ پھر اسے کچھ اور نہ سوجھا۔

کہتے ہیں کہ عشق اور مشک کبھی نہیں چھپتے۔ یہی صورتِ حال قیس کے ساتھ بھی ہوئی۔ کچھ ہی دنوں میں یہ بات زبان زدِ عام ہوگئی کہ قیس کو لیلیٰ سے محبت ہوگئی ہے۔ مولوی شفیع اللہ کو علم ہوا تو انہوں نے پہلے نرمی سے قیس کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن جب اس کا نتیجہ کچھ نہ نکلا تو انہوں نے سختی شروع کردی۔ جو قیس سبق یاد کرنے میں قابلِ رشک سمجھا جاتا تھا اب اتنا کند ذہن ہوگیا تھا کہ کچھ یاد ہونا تو درکنار' اسے یہ بھی ہوش نہ ہوتا تھا کہ استاد کیا پڑھا رہا ہے۔ جو بچے پہلے قیس کی ذہانت پر اس سے حسد کرتے تھے' اب اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگے تھے۔

جب مولوی شفیع اللہ نے دیکھا کہ قیس پر نرمی یا سختی' کچھ بھی اثر نہیں کررہی تو انہوں نے قیس کے سرپرستوں کو خبر کی۔ ایک تیز رفتار قاصد شاہ عامری کے پاس بھجوایا گیا۔ صورتِ حال کی سنگینی اور حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے وہ افتاں و خیزاں دمشق پہنچا۔ اس نے بھی قیس کو نہایت شفقت ومحبت سے سمجھایا کہ وہ باقی چیزوں کو چھوڑ کر صرف اور صرف پڑھائی پر توجہ دے لیکن قیس کے دل میں صرف لیلیٰ تھی۔ اسے درس کے الفاظ سمجھ نہ آتے تھے بلکہ یوں لگتا تھا کہ استاد صرف لیلیٰ کے نام کی تکرار کررہا ہے۔ اور تو اور قیس کے ہم جماعتوں اور ہم مکتب ساتھیوں نے بھی اپنے اپنے انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن ہر کسی کا ''کلامِ نرم ونازک'' بے اثر ہی گیا۔

اور قیس' سوائے لیلیٰ کے کچھ بھی دیکھنے اور سننے کو تیار نہ ہوا۔

Uploaded By Muhammad Nadeem

Upload By Muhammad Nadeem

دوسری جانب لیلیٰ کی حالت بھی قیس سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔ قیس کی محبت نے اس پر مقناطیسی اثر کیا اور وہ خود بھی بے اختیار اس کی طرف کھنچتی چلی گئی۔ اگر قیس کو اسے بن دیکھے قرار نہ تھا تو لیلیٰ بھی اس کے بغیر نہ رہ پاتی تھی۔ ایک جانب قیس اس کے بغیر بے چین رہتا تو دوسری جانب لیلیٰ کی بے قراری بھی دیدنی ہوتی۔ قیس سے اس کی وابستگی کا عالم یہ تھا کہ بعض اوقات سزا قیس کو ملتی لیکن زخموں کے نشانات لیلیٰ کے بدن پر پائے جاتے۔

وہ خود بھی بے تابی سے قیس کی منتظر رہتی۔ مدرسے میں تو ایک لمحے کے لیے بھی وہ قیس کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیتی اور اگر کسی وجہ سے قیس سے اس کا آمنا سامنا نہ ہو پاتا تو وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگتی۔ قیس کے ساتھ ساتھ لیلیٰ کو بھی سمجھانے کی کوشش کی گئی کیونکہ لڑکی ہونے کی وجہ سے اس سارے قضیے میں زیادہ بدنامی اسی کی تھی لیکن اس کا ایک ہی جواب ہوتا کہ اسے خود پر اختیار ہے نہ دل پر۔

اس دیوانہ وار محبت نے اپنا رنگ دکھایا اور اس کے چرچے مدرسے کی چار دیواری سے نکل کر پہلے دائیں بائیں پھیلے اور پھر پورے شہر میں ان کا تذکرہ ہونے لگا۔ قیس کی طرح لیلیٰ کی خدمت گزاری کے لیے بھی کچھ لوگ اس کے ساتھ تھے کیونکہ وہ بھی ایک سردار کی بیٹی تھی۔ انہوں نے پہلے تو اس قصے کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ لیلیٰ کو ڈرایا دھمکایا لیکن جب نتیجہ صفر رہا تو اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ اس کی اطلاع لیلیٰ کے والد کو دی جائے۔ مولوی شفیع اللہ شاہ عامری اور دوسرے لوگوں کی تمام کوششیں بے کار گئیں اور ایک ہرکارہ نجد کے سردار کی جانب روانہ کردیا گیا تا کہ اسے صورتِ حال سے آگاہ کیا جاسکے۔

معاملہ بیٹی اور اس کی عزت کا تھا اس لیے وہ بھی آندھی و طوفان کی طرح دمشق پہنچا۔ بدنامی کے خوف سے اس نے زیادہ واویلا تو نہ کیا لیکن تمام لوگوں کے سمجھانے اور یقین دہانیوں کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے اس نے انتہائی قدم اٹھانے میں ایک لمحے کی تاخیر نہیں کی۔ اس کی اپنی عزت اور نیک نامی داؤ پر لگ رہی تھی اس لیے اس نے کسی اور کو الزام دینے کے بجائے لیلیٰ کا مدرسے جانا بند کردیا۔ لیلیٰ نے شور مچایا لیکن والد کے سامنے اس کی ایک نہ چلی۔ چند دن دمشق میں رہ کر اس نے حالات سنبھلنے کا انتظار کیا لیکن اسے خوب اندازہ تھا کہ پانی سر سے گزر چکا ہے چنانچہ اس نے بیٹی کو ساتھ لیا اور واپس نجد روانہ ہوگیا جہاں اس وقت اس کا قبیلہ رہائش پذیر تھا۔ اس نے لیلیٰ کو خیمے میں قید کرکے اس کے باہر جانے پر پابندی عائد کردی۔

قیس کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ اس کی محبوبہ کو اس سے جدا کردیا گیا ہے۔ وہ چند دن اسی انتظار میں رہا کہ اب کہیں سے لیلیٰ چاند کی طرح اس کے سامنے آجائے گی لیکن ایسا نہ ہوا اور بالآخر اسے علم ہوا کہ لیلیٰ کو اس کا باپ واپس نجد لے گیا ہے اور وہ کبھی دمشق نہیں لوٹ سکے گی۔ بس اتنا سننا تھا کہ قیس کے ہوش وحواس نے اس کا دامن چھوڑ دیا اور اس پر دیوانگی کے دورے پڑنے لگے۔ وہ لیلیٰ کے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے اردگرد موجود لوگوں نے اسے تسلی دینے اور بہلانے کی کوشش کی تو اس نے ان سے دور جانے میں ہی عافیت جانی چنانچہ ایک روز لیلیٰ کا یہ دیوانہ چپ چاپ شہر چھوڑ کر صحراؤں کی جانب نکل گیا۔

دوسری جانب لیلیٰ کی حالت بھی دگرگوں تھی۔ قیس نظروں سے اوجھل ہوا تو اسے یوں محسوس ہوا کہ جسم کا کوئی حصہ ہی کہیں ٹوٹ کر گر گیا ہو۔ وہ سخت پہرے میں تھی اس لیے خیمے سے نہ نکل سکی لیکن اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور بول چال بند کردی۔ کبھی لیلیٰ کے اس خیمے میں اس کے پُرمسرت قہقہے گونجا کرتے تھے لیکن اب خیمے کے ہر کونے سے صرف اس کی سسکیاں سنائی دیتیں۔ لیلیٰ کے والدین نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ اس منزل سے گزر چکی تھی۔ اس نے اپنے والدین اور بہی خواہوں کو صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اگر چاہے بھی تو قیس کی یاد اور محبت کو دل سے نہیں نکال سکتی اس لیے وہ بے سود کوششیں نہ کریں۔

اب قیس صحرا نوردی کرتا۔ اسے کپڑوں کا ہوش تھا نہ کھانے کا دھیان۔ لیلیٰ کی محبت خصوصاً فراق نے اسے ہر قسم کی دنیاوی ضرورت اور قید وبند سے آزاد کردیا تھا۔ اس کے بال پراگندہ ہوگئے۔ جسم پر کپڑوں کی جگہ چیتھڑے لٹکنے لگے۔ کئی کئی روز بھوکا رہنے کی وجہ سے وہ انسان کے بجائے ہڈیوں کے پنجر میں تبدیل ہوگیا۔ کبھی وہ خود کلامی کرتا رہتا۔ کبھی محسوس ہوتا کہ وہ کچھ گنگنا رہا ہے۔ باقی الفاظ تو لوگوں کی سمجھ میں نہ آتے لیکن "لیلیٰ...... لیلیٰ!" کی صدا وہ ضرور پہچان لیتے۔

اس دیوانگی کو دیکھ کر لوگوں نے اسے قیس کی جگہ مجنوں یعنی دیوانہ اور پاگل کہنا شروع کردیا۔ ابتدا میں تو یہ مجنوئے لیلیٰ یعنی لیلیٰ کا دیوانہ تھا لیکن پھر یہ خالی مجنوں رہ گیا اور اب صورتِ حال یہ ہے کہ لوگ قیس کو صرف مجنوں کے نام سے ہی جانتے پہچانتے ہیں۔ ایک عرب سردار کا بیٹا اور قبیلے کا ولی عہد محبت میں ڈوب کر خاک نشیں تو ہوا لیکن قیامت تک کے لیے محبت' چاہت' دیوانگی اور وارفتگی کی ایک ایسی علامت بن گیا جو عمل' بے مثال' منفرد اور یکتا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ نجد کے سردار کا ایک محل بھی تھا اور لیلیٰ کو اسی محل میں قید رکھا گیا تھا۔ مجنوں کو اس کا علم تھا لیکن اس کی وہاں تک رسائی نہیں تھی کیونکہ محل کے گرد کڑا پہرا تھا۔ لیلیٰ کو گھر سے نکلنے کی اجازت نہ تھی جبکہ پہرے داروں کو حکم تھا کہ وہ مجنوں کو محل کے قریب بھی نہ پھٹکنے دیں۔ مقصد ظاہر ہے کہ یہی تھا کہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے کے لیے ترس جائیں۔

لیکن ایک روز مجنوں اس کوچے میں جا نکلا جہاں لیلیٰ کا محل واقع تھا۔ اس کی ظاہری اور جسمانی حالت اس قدر خراب اور دگرگوں ہوچکی تھی کہ کوئی بھی اسے قیس کی حیثیت سے پہچان نہیں سکتا تھا۔ ہاں جب وہ لیلیٰ کا نام پکارتا تھا تو لوگوں کو علم ہوتا تھا کہ یہی پاگل درحقیقت قیس ہے۔

مجنوں...... "آہ لیلیٰ...... او لیلیٰ......" پکارتا اور آہ وبکا کرتا محل کے قریب سے گزرا تو اس کی درد میں ڈوبی آواز لیلیٰ کے کانوں تک جا پہنچی جو اس وقت اپنے والد کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھی۔ محبوب کی آواز کانوں میں پڑی تو وہ بے قرار ہوگئی۔ وہ اس کی ایک جھلک دیکھنا چاہتی تھی کیونکہ وہ ایک عرصے سے اپنے محبوب کے دیدار سے محروم تھی۔ اس نے اپنے والد سے کوئی بہانہ کیا جو اس تمام صورتِ حال سے بے خبر تھا اور اس طرف بھاگی جہاں سے آواز آرہی تھی۔

لیلیٰ نے اپنے محل کی بالائی منزل کی کھڑکی کھولی تو اسے نیچے گلی میں کوئی نہایت ہی مفلوک الحال اور ہڈیوں کا پنجر نما کوئی شخص گزرتا نظر آیا جس کے ہونٹوں سے کراہ کی صورت اسی کا نام نکل رہا تھا۔

وہ بھلا اپنے محبوب کو کیسے نہ پہچانتی، وہ قیس ہی تھا۔

لیکن اس کی حالت دیکھ کر لیلیٰ ششدر رہ گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کی محبت نے ایک جیتے جاگتے شخص کو مردوں سے بدتر کردیا ہے۔ وہ زاروقطار رونے لگی۔ لیلیٰ کی ہچکیوں سے محل کا کمرا گونجنے لگا، وہ کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہی تھی۔ اس نے مجنوں کو پکارنا چاہا لیکن اس کے حلق سے آواز نہیں نکل سکی۔ یوں محسوس ہورہا تھا کہ اپنے محبوب کو اس حالت میں دیکھ کر وہ قوتِ گویائی سے محروم ہورہی ہے۔

مجنوں تک لیلیٰ کی سسکیاں اور ہچکیاں تو نہیں پہنچیں لیکن لیلیٰ کی خوشبو اسے ضرور محسوس ہوگئی۔ اس نے عین اس لمحے اوپر کی جانب دیکھا جب اس کی محبوبہ کھڑکی کا پٹ پکڑے اپنی ہچکیاں ضبط کرنے اور اسے پکارنے کی کوششوں میں مصروف تھی۔

مجنوں کے لیے تو بس اس کا دیدار ہی کافی تھا۔ اس کی نگاہیں جیسے ہی لیلیٰ کے چہرے سے ٹکرائیں وہ تیورا کر گرا اور بے ہوش ہوگیا۔ شاید وہ ایک عرصے سے بچھڑی لیلیٰ کے جلوؤں کی تاب نہ لاسکا تھا۔

لیلیٰ کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس نے کھڑکی سے چھلانگ لگانے کی کوشش کی لیکن اس کی خادماؤں نے مضبوطی سے پکڑ کر اسے کودنے سے باز رکھا چنانچہ لیلیٰ اوپر کھڑی آہیں بھرتی رہی اور مجنوں ریت پر بے حس وحرکت پڑا رہا۔

لیلیٰ اس وقت دل ہی دل میں اپنے محبوب کی سلامتی کے لیے دعائیں مانگ رہی تھی اور خود کو کوس بھی رہی تھی کہ وہ زمین پر پڑے بے یارومددگار قیس کی مدد سے قاصر ہے۔

یہ شاید لیلیٰ کی وہاں موجودگی کا احساس تھا یا محبت کی طاقت کہ کچھ دیر بعد مجنوں نے ایک جھرجھری سی لی اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ حسرت ویاس میں ڈوبی اس کی نگاہیں اسی کھڑکی پر مرکوز تھیں جہاں اب بھی اس کی محبوبہ سسکیاں لے رہی تھی۔ مجنوں کو کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپتا لیلیٰ کا جسم صاف دکھائی دے رہا تھا۔

اور پھر اسے لیلیٰ کی رسیلی آواز سنائی "میرے قیس!" اس کے الفاظ میں آنسوؤں کی نمی اور سسکیوں کی اداسی تھی "خود پر قابو رکھو میرے قیس' میں نہیں چاہتی کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے کیونکہ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی...... میں تمہاری ہوں قیس...... صرف تمہاری......" لیلیٰ نے پھر ایک زوردار ہچکی لی "...... اور یاد رکھو دنیا کی کوئی طاقت مجھے تم سے الگ نہیں کرسکتی کیونکہ ایسا ہونا ہی ناممکن ہے۔"

مجنوں یوں کھڑا لیلیٰ کو دیکھ رہا تھا جیسے اسے ہپناٹائز کردیا گیا ہو۔

لیلیٰ اوپر کھڑی مسلسل بول رہی تھی لیکن اب اس کے بدن میں کپکپاہٹ آگئی تھی جبکہ لہجے میں لکنت صاف محسوس ہورہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا کہ وہ خود کو بڑی مشکل سے سنبھالے ہوئے ہے۔

"...... اور...... مم...... میرے...... قق...... قیس...... تت...... تمہارے بغیر تو...... مم...... میں...... ادھوری رہ گئی ہوں...... مم...... میں بھی...... تمہارے پاس......"

اور اس کے ساتھ ہی لیلیٰ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھی۔ وہ بری طرح لڑکھڑائی۔ اس کی خادماؤں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی لیکن ان کے ہاتھ میں لیلیٰ کے عبا کا صرف دامن ہی آسکا۔ لیلیٰ نے ایک جھٹکا دیا اور زوردار آواز کے ساتھ اپنے

Uploaded By Muhammad Nadeem

Upload By Muhammad Nadeem

محبوب کے پہلو میں آ گری۔

مجنوں ذہنی طور پر اس کے لیے تیار نہ تھا۔ اس نے صرف لیلیٰ کی چیخ سنی جو اسے ہوش وحواس سے بے گانہ کرنے کو کافی تھی چنانچہ وہ ایک بار پھر بے ہوشی کے عالم میں زمین پر گر گیا۔ اب عاشق ومعشوق پہلو بہ پہلو زمین پر پڑے تھے لیکن کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ انہیں ہوش میں لانے یا اٹھانے کی کوشش کرتا۔

اوپر کھڑی خادمائیں مارے خوف کے تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ لیلیٰ اگر اکیلی ہوتی تو شاید ان کی یہ حالت نہ ہوتی لیکن نیچے مجنوں بھی تھا اور لیلیٰ کے باپ نے انہیں سختی سے حکم دے رکھا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے' لیلیٰ مجنوں کی یا مجنوں ..... لیلیٰ کی صورت نہ دیکھنے پائے۔ انہیں ڈر تھا کہ جب سردار کو اس واقعے کا علم ہوگا تو وہ ان کی کھالوں میں بھس بھروا دے گا۔ چنانچہ چند ثانیے تو وہ بے حس وحرکت وہیں کھڑی رہیں لیکن پھر ''لیلیٰ نیچے گر گئی' لیلیٰ نیچے گر گئی'' کا شور مچاتی وہ اندر کی جانب بھاگیں۔

ان کے شور وغل سے محل میں جیسے زلزلہ برپا ہو گیا۔ لیلیٰ کا باپ جیسے ہی سامنے آیا' خادماؤں کی سٹی گم ہو گئی۔ بہ مشکل تمام انہوں نے لیلیٰ کے گرنے کی بابت اسے بتایا لیکن شکر ہوا کہ سردار نے انہیں کچھ کہنے کے بجائے اپنی تلوار نیام سے نکالی اور اپنے ساتھیوں کو آوازیں دیتا باہر کی جانب بھاگا۔

لیلیٰ کے قریب پہنچنے تک اسے علم نہیں تھا کہ مجنوں بھی وہاں موجود ہوگا چنانچہ جب اس نے اپنی بیٹی کو بے ہوش عاشق کے پہلو میں پڑے پایا تو وہ غصے سے پاگل ہو گیا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی ننگی تلوار سر سے اوپر اٹھائی۔ ارادہ یہی تھا کہ آج مجنوں کا سر تن سے جدا کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بدنامی کے اس طوق کو گلے سے اتار پھینکے لیکن پھر کچھ سوچ کر اس نے تلوار نیچے کر لی۔ وہ جانتا تھا کہ قیس اس سے زیادہ طاقت ور سردار کا بیٹا ہے اور اگر وہ اس کے ہاتھوں قتل ہوگا تو دونوں قبائل میں ایسی جنگ چھڑ جائے گی جو شاید سالوں ختم نہ ہو سکے۔

یہی سوچ کر وہ اپنے آدمیوں کی طرف پلٹا اور انہیں حکم دیا کہ اندر سے خادماؤں کو بلائیں تاکہ وہ بے ہوش لیلیٰ کو اٹھا لے جائیں۔ حکم کی فوری تعمیل ہوئی۔ پانچ چھ خادمائیں آئیں اور انہوں نے بے ہوش لیلیٰ کو اٹھا کر فوری طور پر محل میں منتقل کر دیا۔

مجنوں بہ دستور بے ہوش تھا اور اسے علم نہیں تھا کہ اس کی محبوبہ کو ایک بار پھر اس سے جدا کیا جا چکا ہے۔

سردار کے ساتھی بھی وہیں موجود تھے تاکہ سردار کے اگلے حکم کی تعمیل کر سکیں۔ ساری صورتِ حال ان کے علم میں تھی لیکن ان میں سے کوئی بھی خود سے کچھ کہنے کی جرأت نہیں کر پا رہا تھا۔

''اسے اٹھاؤ۔'' بالآخر سردار نے بے ہوش مجنوں کی طرف اشارہ کیا ''اور دوبارہ صحرا میں پھینک آؤ۔''

وفادار قبائلیوں نے اپنے سردار کے حکم کی تعمیل میں قطعی کوئی کوتاہی نہیں کی۔ انہوں نے بے ہوش مجنوں کو گھسیٹنا شروع کیا اور محل سے دور صحرا میں لے جا کر چھوڑ دیا۔

اس ساری صورتِ حال سے قیس کے والد شاہ عامری کو مطلع کیا گیا لیکن وہ اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے ٹھنڈی سانس لی اور ایک بار پھر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو گیا تاکہ اپنے بیٹے کی صحت یابی کے لیے دعا کر سکے۔

کچھ عرصے کے بعد شاہ عامری کے دوستوں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ کم از کم ایک بار جا کر لیلیٰ کے باپ سے قیس اور لیلیٰ کی شادی کی بات کرے کیونکہ تمام لوگوں کے خیال میں قیس کی دیوانگی کا یہی واحد حل اور علاج تھا۔ شاہ عامری خود بھی یہی چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا کسی طرح ٹھیک ہو جائے چنانچہ وہ وقت ضائع کیے بغیر نجد پہنچا اور سردار سے ملاقات کی۔

لیلیٰ کا باپ' شاہ عامری کے ساتھ نہایت ادب واحترام اور عزت وتوقیر سے پیش آیا اور اس نے مہمان کی خاطر داری میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ اس خوش گوار ماحول میں شاہ عامری نے دستِ سوال دراز کیا اور خواہش ظاہر کی کہ وہ لیلیٰ کو اپنی بیٹی بنانا چاہتا ہے۔

لیلیٰ کے باپ نے نہایت معذرت خواہانہ انداز میں شاہ عامری کو آگاہ کیا کہ قیس پاگل ہو چکا ہے اور وہ اپنی بیٹی کی شادی کسی پاگل کے ساتھ نہیں کر سکتا۔ شاہ عامری کو بے حد دکھ ہوا۔ اس نے نہایت عاجزی کے ساتھ درخواست کی کہ اگر لیلیٰ قیس کو مل جائے گی تو اس کی ذہنی حالت بھی ٹھیک ہو جائے گی لیکن لیلیٰ کے والد نے شاہ کی کسی بھی دلیل یا درخواست کو ماننے سے انکار کر دیا اور شاہ عامری وہاں سے خالی ہاتھ لوٹ آیا۔

شاہ عامری نے لیلیٰ کے باپ سے یہ ضرور کہا کہ قیس' لیلیٰ کی محبت میں دیوانہ ضرور ہے لیکن پاگل نہیں ..... مگر حقیقت یہی تھی کہ لیلیٰ کے باپ نے قیس کو پاگل قرار دے کر ٹھکرا دیا تھا۔

واپس آ کر شاہ عامری اپنے لختِ جگر کی تلاش میں نکلا تاکہ خود اس کی حالت ملاحظہ کر سکے۔ اسے نہایت تلاش بسیار

کے بعد قیس عریاں حالت میں ایک درخت کے نیچے لیٹا ہوا ملا۔ شاہ عامری کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے بے حد ناز ونعم کے ساتھ اس کی پرورش کی تھی اور دنیا کی ہر نعمت اسے مہیا کرنے کے لیے کوشاں رہا تھا لیکن آج اس کا بیٹا مخملیں لباس اور آرام دہ بستر سے دور صحرا کی گرم تپتی ریت پر برہنہ لیٹا ہوا تھا۔ اس نے آسمان کی جانب نگاہ اٹھائی جیسے اللہ سے شکوہ کر رہا ہو یا اسے گواہ بنا رہا ہو کہ دیکھ لو' میرے بیٹے کی حالت کیسی ہے۔

شاہ عامری کو دوسرا دھچکا اس وقت لگا جب وہ بیٹے کے قریب پہنچا۔ اس نے باپ کو پہچاننے سے انکار کر دیا تھا۔

''کون؟'' قیس کی نحیف ونزار آواز شاہ عامری کے کانوں تک پہنچی۔

''میں ہوں بیٹا.....!'' شاہ عامری نے اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے جواب دیا ''تمہارا بدنصیب باپ!''

''لیلیٰ.....!'' قیس کے ہونٹوں پر بس ایک ہی نام تھا۔

''.....میری لیلیٰ.....لیلیٰ.....!''

شاہ عامری نے جتنی مرتبہ بیٹے کو پکارا اسے جواب میں صرف لیلیٰ ہی سننے کو ملا۔ قیس اس کے علاوہ اور کوئی بات کہنے سننے کو تیار ہی نہ تھا۔ شاہ عامری کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ بیٹے سے کس طرح بات کرے۔ وہ جب بھی کچھ کہتا' جواب میں اسے صرف ''لیلیٰ'' کا لفظ ہی سننے کو ملتا۔

شاہ عامری بہت دیر اپنے بیٹے کے پاس بیٹھا رہا اور بار بار اسے احساس دلاتا رہا کہ وہ اس کا باپ ہے۔ کئی گھنٹوں کی جدوجہد کے بعد بالآخر وہ بیٹے کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا کہ اگر وہ لیلیٰ کے باپ کے سامنے عام اور صحیح الدماغ انسانوں جیسا رویہ اختیار کرے تو وہ ایک بار پھر اس کا رشتہ لے جانے کو تیار ہے۔ اس نے بیٹے کو یہ بھی سمجھایا کہ اگر ایک بار ایسا ہو گیا تو لیلیٰ کا باپ یقینی طور پر اپنی بیٹی کی شادی اس کے ساتھ کرنے کو تیار ہو جائے گا۔

قیس تو تھا ہی لیلیٰ کا دیوانہ..... چنانچہ جب اسے لیلیٰ کے حصول کا راستہ دکھایا گیا تو اس نے اپنے باپ سے وعدہ کر لیا کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔

شاہ عامری خوشی خوشی بیٹے کو لے کر واپس اپنے قبیلے میں پہنچا۔ آتے ہی اس نے زرِ کثیر غریبوں میں تقسیم کیا اور درجنوں مستحقین کے لیے کھانے کا انتظام کیا کیونکہ اس کا بیٹا ایک طویل عرصے کے بعد گھر واپس آیا تھا۔ قیس کی ماں اور قبیلے والوں کی خوشی کا بھی کوئی ٹھکانا نہ تھا چنانچہ انہوں نے

قیس کی واپسی کی خوشی میں بھرپور جشن کا اہتمام کیا۔ اس دوران قیس مستقل ''لیلیٰ' لیلیٰ'' کی تکرار کرتا رہا اور شاہ عامری اسے دلاسے دیتا رہا کہ وہ بہت جلد اسے لیلیٰ کے باپ کے پاس لے جائے گا۔

شاہ عامری نے خدمت گاروں کو حکم دیا کہ قیس کو اچھی طرح نہلا دھلا کر اسے بہتر پوشاک پہنائی جائے تاکہ اس کی دیوانگی کے اثرات کم ہو سکیں۔ وہاں حکم بجا لانے میں بھلا کیا دیر تھی۔ خدمت گاروں نے مجنوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ذرا سی محنت کے بعد اسے مجنوں سے قیس بنا دیا۔ اب کوئی دیکھنے والا یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی پاگل شخص ہے جو کچھ دیر پہلے ایک درخت کے نیچے ننگ دھڑنگ لیٹا محض ''لیلیٰ' لیلیٰ!'' کی گردان کیے جا رہا تھا۔ خود قیس بھی لیلیٰ کو پا لینے کی امید میں ان سے ہر ممکن تعاون کر رہا تھا اور کوشش کر رہا تھا کہ اس کی کسی حرکت سے دیوانگی نہ جھلکے۔

شاہ عامری نے چند روز قیس کو اپنے پاس رکھا تاکہ وہ طویل عرصہ صحرا میں تنہا گزارنے کے بعد انسانی ماحول اور رکھ رکھاؤ کا عادی ہو جائے۔ اس دوران شاہ نے اپنے چند خاص آدمیوں کو بہ طور خاص قیس کے ساتھ رہنے کی ہدایت کی تاکہ ایک جانب تو اس کے رویے پر نظر رکھی جا سکے اور دوسری جانب اس کی اصلاح ہو سکے۔ شاہ عامری کی یہ کوششیں رنگ لائیں اور قیس میں ایک بار پھر زندگی کروٹیں لینے لگی۔

لیکن اس تمام عرصے میں قیس' لیلیٰ کو نہیں بھولا۔ وہ مستقل اپنے باپ کو اس کا وعدہ یاد دلاتا رہا۔ شاہ عامری بار بار اسے دلاسا دیتا کیونکہ اس کی خواہش تھی کہ قیس کی ذہنی حالت زیادہ سے زیادہ بہتر ہو جائے تاکہ لیلیٰ کے باپ کے سامنے کسی قسم کی شرمندگی نہ ہو۔

بالآخر ایک روز' جب شاہ عامری اپنے تئیں قیس سے مطمئن ہو گیا' وہ اسے لیلیٰ کے باپ کے پاس لے گیا۔ اس مقصد کے لیے قیس کو شہزادوں جیسی پوشاک پہنائی گئی اور اسے دولھا کی طرح سنوارا گیا۔ تمام راستے شاہ عامری اس سے یہی درخواست کرتا رہا کہ وہ لیلیٰ کے باپ کے سامنے دیوانوں جیسی کوئی حرکت نہیں کرے گا۔ قیس نے ہر ممکن انداز میں شاہ کو یقین دہانی کرائی اور یہ بھی یاد دلایا کہ اتنے دنوں میں اس نے کوئی ایسا کام نہیں کیا تو وہ لیلیٰ کے باپ کے سامنے جا کر بھلا کیوں کر کرے گا۔

شاہ عامری کو بھی یقین ہو چلا تھا کہ اب سب کچھ ٹھیک ہوگا اور ہوا بھی یہی۔ لیلیٰ کے باپ نے جب قیس کو اس حلیے میں دیکھا تو خود اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا کہ یہ وہی

Uploaded By Muhammad Nadeem

Uploaded By Muhammad Nadeem

مجہول اور مخبوط الحواس شخص ہے جسے کچھ عرصہ پہلے اس کے خادموں نے گھسیٹ کر صحرا میں لے جا پھینکا تھا۔

شاہ عامری نے لیلیٰ کے باپ کو بتایا کہ میں نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا کہ قیس' پاگل نہیں' صرف لیلیٰ کی محبت میں دیوانہ ہے۔ قیس نے بھی چونکہ معمول کے مطابق عام انسانی رویّے کا مظاہرہ کیا اس لیے لیلیٰ کے باپ کو یقین ہوگیا' یہ اقتعا لیلیٰ کی دیوانگی ہی رہی ہوگی۔ شاہ عامری نے ایک بار پھر رسمی طور پر لیلیٰ کا رشتہ مانگا اور لیلیٰ کے باپ نے بلا حیل و حجت اس پر آمادگی ظاہر کردی۔ اس نے شاہ عامری کو زبان دے دی کہ لیلیٰ آج سے قیس کی ہوئی۔

رشتہ طے پانے کی خوشی میں فوراً ہی مٹھائیاں تقسیم ہونے لگیں اور محل میں جشن سا برپا ہوگیا۔ لیلیٰ کو علم ہوا کہ اس کے باپ نے قیس کے ساتھ اس کا رشتہ منظور کرلیا ہے تو اس کی خوشی کا بھی کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ فوری طور پر مختلف اقسام کے پکوان تیار کرائے گئے تاکہ مہمانوں کی خاطر تواضع کی جاسکے۔ شاہ عامری اور قیس کی خوشی بھی دیدنی تھی۔ عربوں میں چونکہ کسی کو زبان دے دینا' جان دینے کے برابر سمجھا جاتا تھا اس لیے ان دونوں کے دل میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہ تھا کہ شاہ عامری اپنے کہے سے..... مکر جائے گا۔

رشتہ طے پاجانے کے باضابطہ اعلان کے بعد دسترخوان لگا دیا گیا جس پر انواع واقسام کے پکوان موجود تھے۔ تمام مہمان دسترخوان پر جا بیٹھے اور انتظار کرنے لگے کہ میزبان کی جانب سے اذن ملے اور دعوت کا آغاز ہو۔

عین اسی لمحے ایک کتا کمرے میں داخل ہوا۔ چھوٹا سا کتا دیکھنے میں ہی بہت پیارا تھا۔ شاہ عامری اور اس کے ساتھ آئے ہوئے مہمانوں نے حیرت سے کتے کو دیکھا تو لیلیٰ کے باپ نے بڑے فخر سے بتایا کہ یہ لیلیٰ کا کتا ہے اس لیے سارے گھر میں گھومتا پھرتا ہے اور سب لوگ اسے بے انتہا پیار کرتے ہیں۔

لیلیٰ کا نام سنتے ہی قیس کے بدن میں جیسے بجلی کوندنے لگی۔ وہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور کتے کو گود میں اٹھا کر بے تحاشا اس کے بوسے لینے لگا۔ ساتھ اس کے حلق سے لیلیٰ' لیلیٰ کی آوازیں بھی بلند ہورہی تھیں۔

لیلیٰ کے باپ اور وہاں موجود دوسرے لوگوں کے لیے یہ منظر حیرت انگیز ہی نہیں ناقابلِ یقین تھا۔ انہوں نے آج تک کسی کو ایسی وارفتگی کے ساتھ کسی نجس جانور کو چومتے نہیں دیکھا تھا۔

شاہ عامری نے اپنے بیٹے کو اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن بہت دیر ہوچکی تھی۔

لیلیٰ کا باپ غصے میں سرخ ہوکر دسترخوان سے اٹھ بیٹھا۔

''میں نے کہا تھا نا کہ تمہارا بیٹا پاگل ہے۔'' اس نے کسی حفظِ مراتب کے بغیر شاہ عامری کو مخاطب کیا ''کوئی انسان اس طرح کتے کو نہیں چوم سکتا جس طرح یہ چوم رہا ہے۔''

''لیکن یہ تو لیلیٰ کا کتا ہے۔'' قیس نے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔

''کتا صرف کتا ہوتا ہے اور یہ اتنا نجس ہے کہ اسے چھونا ہی ناپاکی کے زمرے میں آتا ہے۔'' لیلیٰ کا باپ باقاعدہ دہاڑ رہا تھا ''جس شخص کو پاکی اور ناپاکی کا ہی پتا نہ ہو' وہ بھلا صحیح الدماغ کیسے ہوسکتا ہے۔''

شاہ عامری نے سردار کو سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ صرف محبت کی وجہ سے ہے لیکن لیلیٰ کا باپ کوئی تاویل سننے کو تیار نہ ہوا۔ وہ بہ ضد تھا کہ قیس پاگل تھا اور اب بھی پاگل ہی ہے۔ اس نے شاہ عامری پر یہ الزام بھی عائد کیا کہ اسے دھوکا دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ شاہ نے لیلیٰ کے باپ کی بے انتہا منت سماجت کی جبکہ دوسرے مہمانوں نے بھی اسے قائل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی بات پر قائم رہا۔

لیلیٰ کے باپ نے اعلان کردیا کہ وہ کسی ایسے شخص کے ساتھ لیلیٰ کی شادی پر ہرگز ہرگز تیار نہیں جو اس حد تک پاگل ہو کہ کتے کو چومنے میں بھی کراہت محسوس نہ کرے۔

یوں قیس پر لیلیٰ کے دروازے ایک بار پھر بند کردیے گئے۔

شاہ عامری نے لیلیٰ کے باپ کے اس انکار کو اپنی توہین اور وعدہ خلافی قرار دیا کیونکہ کتے کو چومنے سے پہلے لیلیٰ کا باپ اس رشتے کا باضابطہ اعلان کرچکا تھا۔ شاہ عامری نے قرب وجوار کے تمام قبائلی سرداروں کو اپنی توہین اور لیلیٰ کے باپ کی وعدہ خلافی کی بابت آگاہ کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس سلسلے میں اس کی مدد کریں۔

عربوں میں چونکہ وعدہ خلافی کو خلافِ ایمان سمجھا جاتا تھا اس لیے شاہ عامری کے پیغام کا سخت ردِعمل ہوا اور ایک عرب سردار نوفل نے نجد کے سردار کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا۔ سردار نوفل نے اپنی افواج کے ساتھ نجدی سردار کے محل کا نہ صرف محاصرہ کرلیا بلکہ ایک خوں ریز جنگ کے بعد اسے گرفتار بھی کرلیا۔

کہتے ہیں کہ سردار نوفل اپنے وقت کا ایک بہادر اور جنگ جو تھا چنانچہ کوئی بھی اس کے مقابلے پر آنے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ وہ وعدہ خلافوں اور قانون شکنوں کو کڑی سزائیں

دینے میں بے حد مشہور تھا۔ نجدی سردار کو گرفتاری کے بعد سردار نوفل کے سامنے پیش کیا گیا۔

''کیا تم ہی وہ شخص ہو جس نے شاہ عامری کو زبان دے کر وعدہ خلافی کی تھی؟'' سردار نوفل نے اپنے قیدی سے سوال کیا۔

''ہاں' میں وہی ہوں' جس نے انکار کیا۔'' لیلیٰ کے باپ نے اعتراف کیا ''لیکن میں نے کوئی وعدہ خلافی نہیں کی۔''

''کیا مطلب؟'' سردار نوفل حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

''اس لیے کہ شاہ عامری نے اپنے جس بیٹے کے لیے مجھ سے رشتہ مانگا تھا' وہ پاگل تھا۔'' نجدی سردار نے جواب دیا ''اور میں کسی پاگل شخص کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی نہیں کرسکتا۔''

''تو کیا تمہیں پہلے اس کے پاگل پن کا علم نہیں تھا؟'' سردار نوفل نے سوال کیا۔

''علم تھا۔'' نجدی سردار نے اثبات میں سر ہلایا ''لیکن مجھے بتایا گیا تھا کہ وہ اب ٹھیک ہوگیا ہے۔''

''تو پھر رشتہ دینے میں کیا قباحت تھی؟'' سردار نوفل نے پوچھا۔

جواب میں لیلیٰ کے باپ نے سردار نوفل کو شاہ عامری سے ہونے والی دونوں ملاقاتوں کے احوال' قیس کی دیوانگی اور کتے کو چومنے کے واقعات کی بابت تفصیل سے آگاہ کیا۔ سردار نوفل اس دوران مکمل خاموشی اور یکسوئی سے نجدی سردار کی گفتگو سن رہا تھا لیکن اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ کچھ سوچ رہا ہے۔

''میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں نے انکار کیا..... اور اقرار کرنے کے بعد انکار کیا۔'' نجدی سردار نے اپنی طویل صفائی کے آخر میں کہا ''لیکن میں بہ صد احترام آپ سے سوال کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ لیلیٰ کے باپ ہوتے تو اس صورتِ حال میں کیا کرتے؟''

سردار نوفل بری طرح چونکا۔ ظاہر ہے اسے اس سوال کی توقع ہی نہ تھی۔

وہ کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا اور پھر اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا کہ نجدی سردار کی بیڑیاں کھول دی جائیں۔

''میں آپ سے معذرت خواہ ہوں سردار!'' سردار نوفل گویا ہوا ''مجھے اس تمام صورتِ حال کا علم نہ تھا۔ ایک بیٹی کے باپ کی حیثیت سے آپ کا فیصلہ درست تھا۔''

سردار نوفل نے نجدی سردار کو پیش کش کی کہ وہ اس کے نقصانات پر ہرجانہ ادا کرنے کو تیار ہے لیکن لیلیٰ کے باپ نے یہ کہہ کر اس سے انکار کردیا کہ میرے موقف کو تسلیم کرلینا ہی میرے نقصانات کا ازالہ اور ہرجانہ ہے۔

سردار نوفل محاصرہ اٹھا کر اپنے علاقے کو واپس چلا گیا۔ لیلیٰ اور قیس کی یہ آخری امید بھی ختم ہوگئی اور قیس ایک بار پھر ''لیلیٰ' لیلیٰ'' کی صدائیں لگاتا صحرا کی وسعتوں میں کھو گیا۔

اب لیلیٰ کے باپ کی کوشش تھی کہ کسی اور جگہ لیلیٰ کا رشتہ طے پاجائے تاکہ یہ قصہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے۔ حسنِ اتفاق سے ایک بااثر عرب سردار امیر سالم نے اپنے بیٹے بخت کے لیے لیلیٰ کا رشتہ مانگا اور لیلیٰ کے باپ نے بغیر کسی حیل وحجت کے اسے قبول کرلیا۔ لیلیٰ بہت روئی' پیٹی اور چیخی چلائی لیکن اس کی آواز سننے والا کوئی نہ تھا چنانچہ چند ہی دنوں میں وہ بخت کی دلہن بن کر سسرال سدھار گئی۔

شادی کی پہلی رات ایک انوکھا واقعہ رونما ہوا۔ شبِ زفاف جب بخت نے لیلیٰ کو اپنی بانہوں میں لینا چاہا تو لیلیٰ نے اپنے شوہر کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔ بخت کے لیے یہ واقعہ اس قدر اچانک اور حیرت انگیز تھا کہ وہ فوری طور پر کوئی ردِعمل بھی ظاہر نہ کرسکا۔

''میرا شوہر ہونے کا حق صرف اور صرف قیس کا ہے۔'' لیلیٰ کے لہجے میں غراہٹ تھی ''اس کے سوا دنیا کے کسی اور مرد کو میں یہ اجازت نہیں دے سکتی کہ وہ مجھے چھوئے اس لیے بہتر یہ ہے کہ تم اس طرح کی دوبارہ کوشش نہ کرنا ورنہ میں اس سے زیادہ سنگین ردِعمل ظاہر کرسکتی ہوں۔''

سہاگ رات کو نوبیاہتا بیوی کے ہاتھوں تھپڑ کھانا بخت کے لیے یقینی طور پر نہایت ذلت آمیز تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی بیوی نے کسی اور مرد کی محبت کا اقرار بھی کیا تھا چنانچہ اسے کچھ اور تو نہ سوجھا لیکن وہ پوری قوت سے چلّا اٹھا۔

''طلاق..... طلاق..... طلاق!''

اسلامی معاشرے میں کوئی شوہر اپنی بیوی کو اس سے بڑی سزا نہیں دے سکتا۔ جیسے ہی بخت کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے لیلیٰ نہ صرف ازدواجی بندھن سے آزاد ہوگئی بلکہ وہ اپنے شوہر پر بھی حرام قرار پائی۔ طلاق ملنے پر اس نے باقاعدہ اللہ کا شکر ادا کیا کیونکہ وہ خود کو صرف قیس کی ملکیت سمجھتی تھی اور نہیں چاہتی تھی کہ کوئی اور اس کے اور قیس کے درمیان آئے۔

کہتے ہیں کہ وہ رات تو لیلیٰ نے جیسے تیسے اسی چھت کے نیچے بسر کی۔ بخت اسے طلاق دینے کے بعد باہر چلا گیا۔ اس نے اپنے باپ کو سارے واقعے سے آگاہ کیا لیکن شریعت کی

Uploaded By Muhammad Nadeem

Upload By Muhammad Nadeem

رُو سے اب کچھ نہیں ہوسکتا تھا لہٰذا وہ بھی سوائے اظہارِ تاسف کے کچھ اور نہیں کرسکتا تھا البتہ اس نے اپنے بیٹے سے یہ ضرور کہا کہ اتنا بڑا فیصلہ ایسی جلد بازی میں نہیں کیا جانا چاہیے تھا..... لیکن جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔

لیلیٰ نے عدت گزارنے کا تکلف کیا نہ کسی سے اجازت طلب کی۔ صبح اٹھ کر وہ نجد کے صحرا اور جنگل کی جانب روانہ ہوگئی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ قیس کا ٹھکانا کہاں ہے لیکن محبت اس کی رہنمائی کررہی تھی۔ چند دن کی تلاش کے بعد بالآخر وہ قیس کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہوگئی۔

قیس کی وہی حالت تھی جو وہ ایک بار پہلے اپنے محل کی کھڑکی سے دیکھ چکی تھی لیکن اب قیس نے جب اپنی محبوبہ کو اتنے قریب پایا تو اس کا چہرہ موسم بہار کے پھولوں کی طرح کھل اٹھا۔ اس کے مدقوق جسم میں جیسے کسی نے نئی روح پھونک دی۔ جونہی لیلیٰ نے اسے پکارا وہ تمام تر نقاہت اور کمزوری کے باوجود اپنی جگہ سے اٹھا اور بے تابی کے ساتھ لیلیٰ سے چمٹ گیا۔

ان کا انداز ایسا تھا کہ جیسے دو ترسی ہوئی روحیں صدیوں کے بعد ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئی ہوں۔ بے قراریوں نے سرشاریوں کا روپ بدلا تو زمین جیسے گھومنے لگی۔ دونوں میں سے کسی کو بھی یقین نہ آرہا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے اتنے قریب ہیں کہ ان کے بدن باہم پیوست ہیں اور وہ ایک دوسرے کی سانسیں بھی محسوس کرسکتے ہیں۔ مجنوں اب بھی عالم دیوانگی میں ''لیلیٰ..... میری لیلیٰ'' کی گردان کررہا تھا تو لیلیٰ اپنے ہاتھوں اور ہونٹوں سے اس کے چہرے اور جسم پر لگی ریت صاف کررہی تھی۔

جانے وہ کتنی دیر ایک دوسرے سے لپٹے رہے اور بالآخر جذبات کی شدتوں سے ہوش وحواس کھو کر زمین پر گر گئے۔ وہ دونوں اب دنیا و مافیہا سے بے گانہ ہوگئے تھے۔

دوسری جانب لیلیٰ کے گھر والوں کو بھی طلاق اور بعد ازاں اس کے گھر چھوڑ جانے کی خبر پہنچ گئی تھی۔ لیلیٰ کے باپ اور ماں کو یقین تھا کہ وہ صرف مجنوں کے پاس گئی ہوگی چنانچہ ہرکاروں اور کھوجیوں کے ساتھ وہ خود بھی لیلیٰ کی تلاش میں مختلف اطراف کو روانہ ہوئے۔ اتفاق سے لیلیٰ کی ماں اس جگہ پہنچی جہاں بے ہوش عاشق ومعشوق ایک دوسرے کی بانہوں میں قید زمین پر پڑے تھے۔ کچھ خواتین اور مرد خدمت گار بھی اس کے ہمراہ تھے۔

لیلیٰ کی ماں نے لیلیٰ کو مجنوں کی گرفت سے آزاد کرایا اور اپنی خادماؤں کی مدد سے اسے اونٹ کی پشت پر لاد کر محل

لے آئی۔ پہلے تو خیال تھا کہ شاید لیلیٰ دم توڑ چکی ہے لیکن طبیب نے آکر آگاہ کیا کہ وہ صرف بے ہوش ہے چنانچہ اسے ہوش میں لانے کی ترکیبیں کی جانے لگیں۔ طبیب نے کوئی دوا لیلیٰ کی ناک پر لگائی اور وہ ایک جھرجھری لے کر ہوش میں آگئی۔

چند لمحے وہ خالی خالی نگاہوں سے اپنے اردگرد کے ماحول کو دیکھتی رہی۔ اسے جونہی اندازہ ہوا کہ وہ اپنوں کے درمیان ہے اور اسے ایک بار پھر قیس سے علیٰحدہ کردیا گیا ہے تو اس کے حلق سے ایک دل دوز چیخ برآمد ہوئی۔ وہ محض ایک بار اٹھ کر بیٹھی۔ اس کا جسم بری طرح کپکپایا اور وہ دوبارہ بستر پر گر گئی۔

لیلیٰ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملی تھی۔

طبیب وہیں موجود تھا اس نے لیلیٰ کی نبض دیکھی۔ پوٹے کھولے' دل کی دھڑکن محسوس کی لیکن سب طرف خاموشی تھی چنانچہ اس نے لیلیٰ کی موت کا اعلان کردیا۔

محل میں کہرام مچ گیا لیکن لیلیٰ اب ان کی آہ وبکا سے بہت دور جاچکی تھی۔ اس نے زندگی کی بازی ہار کر محبت کی بازی جیت لی تھی۔

کسی نہ کسی طرح یہ خبر مجنوں تک بھی پہنچ گئی کہ لیلیٰ اب اس دنیا میں نہیں رہی۔ اس کے ذہن میں صرف یہی خیال آیا کہ جب لیلیٰ نہیں رہی تو پھر وہ کیوں زندہ ہے۔ بس یہ سوچنا تھا کہ وہ بھی زمین پر گرا اور ہمیشہ کے لیے اس دارفانی کو خیرباد کہہ گیا۔ عاشق ومعشوق نے اپنے اپنے نذرانے پیش کردیے تھے۔

نجد کے لوگوں' جو پہلے مجنوں کو پہچاننے سے انکاری تھے' نے اس کی موت کی خبر کو نہایت حیرت واستعجاب سے سنا۔ وہ اس کی تلاش میں نجد کے جنگل نما صحرا میں داخل ہوئے اور بالآخر انہوں نے مجنوں کی لاش کو ڈھونڈ نکالا۔ لاش کو نہایت عزت واحترام کے ساتھ قصبے میں لایا گیا اور دو محبت کرنے والوں کا جنازہ ایک ساتھ اٹھایا گیا۔

لیلیٰ اور مجنوں اپنے معاشرے کے رسم ورواج پر قربان ہوگئے تھے۔ وہ زندگی میں کبھی ایک دوسرے کو نہ پاسکے کیونکہ زندہ انسانوں کا ملن معاشرتی تقاضوں اور منظوریوں کا محتاج ہوتا ہے جو انہیں نہیں مل پائی تھیں لیکن ان کی ایک ساتھ موت نے انہیں اور ان کی محبت کو ہمیشہ کے لیے باہم ملا دیا تھا۔ لیلیٰ اور مجنوں کو ایک قبر میں دفن کیا گیا۔

آسمانوں نے یہ ستم بھی دیکھا کہ جو ہاتھ زندگی میں انہیں ملن کی دعائیں نہ دے سکے اب وہی ہاتھ خود انہیں لحد میں اتار رہے تھے اور قبر پر مٹی ڈال رہے تھے۔ جن ہونٹوں نے انہیں ملن کی منظوری دینے سے انکار کردیا تھا اب ان پر آہیں اور سسکیاں تڑپ رہی تھیں۔ کہتے ہیں کہ لیلیٰ مجنوں کی قبر ایک عرصے تک محبت کرنے والوں کے لیے ایک مقدس مقام رہی لیکن پھر امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں قبر کے نشانات تو مٹ گئے..... لیکن لیلیٰ مجنوں کی داستانِ محبت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے امر ہوگئی۔

بعض روایات کے مطابق قیس کے والد کا نام سردار سعید تھا۔ عربوں کے قدیم قبیلے بنوعامر کے اس حکمران کا تعلق ایک نہایت معزز اور دولت مند گھرانے سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی تمام نعمتوں سے نواز رکھا تھا لیکن یہ دولت' عزت اور شہرت اس کے کسی کام کی نہ تھی کیونکہ وہ بے اولاد تھا۔ سردار سعید کی شدید خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے اولادِ نرینہ سے نوازے جو اس کے خاندان کو آگے بڑھانے کا سبب بن سکے۔ یہ ایک ایسا دکھ تھا جس کے سامنے نہ صرف ساری دنیا کی خوشیاں ہیچ تھیں بلکہ یہ اسے اندر ہی اندر گھن کی طرح چاٹتا بھی جارہا تھا۔

اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے سردار سعید اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتا تھا۔ وہ مستقل عبادت کرتا' روزے رکھتا' منتیں مانتا اور بڑے پیمانے پر صدقہ وخیرات کرتا۔ گو ابھی تک مراد بر نہ آئی تھی لیکن اس نے امید اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور مستقل اللہ کی جانب سے نوازے جانے کا منتظر رہا۔ اس نے اس طرح ایک عمر گزار دی لیکن ابھی تک اس کی دعائیں رنگ نہ لائی تھیں۔ بالآخر جب وہ شکست اور ناامیدی کے قریب تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بیٹے کی نعمت سے نوازا۔

اسے خبر ملی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو بیٹا عنایت کیا ہے وہ نہایت خوبصورت اور کھلتی ہوئی کلیوں سے مشابہ ہے۔ وہ بے تابی سے خیمے میں داخل ہوا تو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس کے سامنے ایک ایسا ہیرا رکھا ہوا تھا جس کی شعاعوں سے گردوپیش کا سارا ماحول منور تھا۔ سردار سعید اس تحفے کو پاکر اس قدر خوش ہوا کہ اس نے اپنے خزانے کو نہایت فراخ دلی سے غریبوں میں بانٹا اور سونا یوں لٹایا جیسے وہ کوئی قیمتی دھات کے بجائے ریت ہو۔ اس نے تمام قبیلے کو اپنی خوشیوں میں شریک ہونے کی دعوت دی اور اپنے بیٹے کی پیدائش پر عظیم جشن کا اہتمام کیا۔ یہ بے مثال جشن کئی روز جاری رہا اور جب یہ ختم ہوا تو قبیلے کے کئی لوگ سردار سعید کی سخاوت کی بدولت لکھ پتی بن چکے تھے۔

عرب روایات کے مطابق بچے کو ایک نہایت ہی منجھی ہوئی اور خدا ترس دایہ کے حوالے کردیا گیا۔ دایہ کا فرض تھا کہ وہ بچے کو دودھ پلاتی اور اس کی بہترین انداز میں پرورش کرتی۔

پیدائش کے پندرہویں دن والدین نے بچے کا نام قیس تجویز کیا جسے ہر خاص وعام نے بے حد پسند کیا۔

اب سردار سعید کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہ تھا اور نہ ہی اسے کسی اور شے کی حاجت رہ گئی تھی اس لیے اس نے اپنی تمام تر توجہ قیس کی پرورش پر مرکوز کردی۔ اس کی ہر ضرورت اور فرمائش کا خیال رکھا جاتا اور ساتھ ہی ساتھ وہ تمام اقدام بھی کیے جاتے جو کسی سردار کے بچے کے شایانِ شان ہوتے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عمر کے ساتویں سال میں قیس سرخ وسپید رنگت والے ایک قد آور اور خوب رُو بچے کی حیثیت میں سامنے آیا۔

اب سردار سعید کو اس کی تعلیم کی فکر ہوئی۔ نازونعم ایک جانب لیکن سردار کی خواہش تھی کہ قیس کو ایسے علوم سے آراستہ کیا جائے جو آگے چل کر قبیلے کی سرداری میں اس کے معاون ثابت ہوں۔ یہی سوچ کر اس نے ایک نہایت قابل استاد کو قیس کی تربیت کی ذمے داری سونپی۔ استاد کے فرائض میں شامل تھا کہ وہ قیس کو دینی ودنیاوی علوم کے ساتھ ساتھ تیراندازی' گھڑسواری اور ایسے تمام فنون سے آراستہ کرے جو عرب کی صحرائی زندگی اور صحرائی قبیلے کی سرداری سنبھالنے کے لیے ضروری تھے۔

اس معاملے میں قیس خوش نصیب ہی نہیں بے انتہا محنتی بھی تھا۔ اس نے اپنی ذہانت سے استاد کو اس حد تک اپنا دل دادہ بنایا کہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہوگیا کہ ایسا بچہ آج تک اس کی شاگردی میں آیا ہی نہیں۔ اسے لکھنے اور پڑھنے میں بے انتہا مہارت حاصل تھی اور جب وہ بولتا تو یوں محسوس ہوتا کہ اس کے منہ سے عقل ودانش کے موتی گر رہے ہوں۔ وہ اپنے استاد کا تنہا شاگرد نہیں تھا بلکہ قرب وجوار کے دیگر قبائل کے بچے بھی اسی مدرسے میں تعلیم حاصل کرنے آتے تھے اور ان سب کا تعلق نہایت معزز اور بڑے گھرانوں سے تھا۔ زیادہ تر تعداد قبائلی سرداروں کے بچوں کی تھی۔

مدرسے میں لڑکوں کے ساتھ لڑکیاں بھی تعلیم حاصل کرتی تھیں کیونکہ وہاں کا معیارِ تعلیم اسی انداز کا تھا کہ ہر سردار کی خواہش تھی کہ اس کا بچہ یہیں پڑھے۔

ایک روز ایک نئی لڑکی نے قیس کی جماعت میں داخلہ لیا۔ آنے والی کچھ ایسے مسحور کن حُسن کی مالک تھی کہ قیس سمیت جماعت کا کوئی بچہ بھی اس نئی لڑکی میں دلچسپی لیے بغیر

Uploaded By Muhammad Nadeem

Upload By Muhammad Nadeem

نہ رہ سکا۔

اس نئی لڑکی کا نام لیلیٰ تھا جسے عربی زبان کے لفظ لیل یعنی رات سے لیا گیا تھا۔

دوسرے لڑکے تو محض دل لگی کی خاطر لیلیٰ کی جانب متوجہ ہوئے تھے لیکن قیس پہلی ہی نظر میں اس سے محبت کرنے لگا۔ لیلیٰ کے نام کی مناسبت سے اس کے بال رات کی تاریکی کی طرح سیاہ تھے جبکہ ان کالے بالوں کے نیچے اس کی کھلتی ہوئی رنگت کسی قیامت سے کم نہ تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ کسی نے گلاب اور میدے کو ایک ساتھ گوندھ کر اس کے چہرے پر بکھیر دیا ہو۔ اس کی آنکھیں کسی ہرنی کی طرح بڑی، بے قرار اور شرارتی تھیں۔ کالے بالوں کی مناسبت سے اس کی غزالی آنکھیں بھی سیاہ تھیں لیکن ان آنکھوں میں نہ صرف جادو تھا بلکہ ایک طرح کی دعوت بھی تھی۔ جب کوئی لیلیٰ کی جانب دیکھتا تو یوں لگتا کہ اس کی آنکھیں دیکھنے والے کو اپنی طرف کھینچ رہی ہیں اور باتیں کر رہی ہیں۔ ان آنکھوں پر اس کی لمبی پلکیں جب جھالر کی طرح گرتیں تو یوں محسوس ہوتا کہ کوئی بدلی لمحے بھر کے لیے چاند کے سامنے آ گئی ہو۔

وہ نہایت خوش خصال تھی۔ آواز ایسی سریلی تھی کہ جب وہ بولتی تو لگتا کہ ایک ساتھ کئی چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں بج اٹھی ہوں۔ اس کا دہانہ چھوٹا تھا لیکن جب وہ اپنے لفظوں کی موسیقی بکھیرتی تو سب اس کی جانب متوجہ ہو جاتے۔ لڑکے اس کی بات کا جواب مسکراہٹ یا گفتگو سے دیتے تو وہ بیر بہوٹی کی طرح سرخ ہو جاتی تب ایسا محسوس ہوتا کہ کسی نے اس کے دودھیا رخساروں پر گلال پھینک دیا ہو..... اور جب وہ کسی کی جانب نظر بھر کر دیکھتی تو سامنے والے کو محسوس ہوتا کہ دل اس کے ہاتھ سے گیا۔

وہ سب کے سب بچے تھے لیکن اللہ جانے لیلیٰ کے حسن میں کیا سحر تھا کہ ان کی سوچیں یکدم ہی جوان ہو گئی تھیں اور وہ معصوم ذہن جن میں پاکیزگی کے سوا کچھ نہ تھا، سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ یہ تبدیلی کیسے اور کیونکر رونما ہو رہی ہے۔

قیس دوسروں کی نسبت لیلیٰ سے زیادہ متاثر ہوا تھا۔ پہلی ہی نظر میں وہ لیلیٰ کا دیوانہ ہو گیا تھا، یوں لگتا تھا کہ لیلیٰ کے حسن نے قیس کو جکڑ لیا تھا یا پھر قیس، لیلیٰ کے حسن کی تاب نہیں لا سکا تھا۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ محبت کیا ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ محبت کے سمندر میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ اس نے اپنے تئیں اپنا دل لیلیٰ کے حوالے کر دیا تھا..... لیکن دوسری جانب لیلیٰ کی حالت بھی اس سے مختلف نہ تھی۔ وہ بھی اس کی محبت میں گرفتار ہو چکی تھی..... یعنی محبت کی آگ دونوں کے دلوں میں بھڑک اٹھی تھی۔

قیس کے لیے لیلیٰ ایک سورج کے مانند تھی جو اپنی تمام تر آب و تاب، چمک دمک اور جگمگاہٹوں کے ساتھ اس کے دل و دماغ کے آسمان پر چمک رہی تھی۔ اس کی حیثیت اس پودے کے مانند ہو گئی تھی جس کی زندگی کا دارومدار ہی روشنی پر ہوتا ہے اور لیلیٰ اس کے لیے زندگی کا پیغام تھی۔ مدرسے میں تو وہ اس کے حسن کی جلوہ گری سے جی بھر کر سیر ہوتا لیکن جب مدرسہ بند ہو جاتا تو وہ اس امید پر لیلیٰ کی گلیوں کے چکر کاٹنے لگتا کہ شاید کہیں اسے اس کی محبوبہ کی جھلک دکھائی دے جائے۔ کہتے ہیں کہ لیلیٰ مسکراتی تو اس کے گالوں میں گڑھے پڑتے تھے اور قیس کا جی چاہتا تھا کہ محض ایک بار اسے لیلیٰ کے رخسار کا نشیب نظر آ جائے اور وہ ہمیشہ کے لیے اس میں ڈوب جائے۔

دن رات یونہی گزرتے رہے اور یہ معصوم محبت، پودے سے تناور درخت کی شکل اختیار کرتی رہی۔ وہ اپنی محبتوں کے جنون میں اس قدر گم تھے کہ انہیں خبر ہی نہیں ہوئی کہ کب زمانے پر ان کی محبت آشکار ہو گئی۔ انہیں اس وقت احساس ہوا جب لوگوں نے پہلے نظریں اور پھر انگلیاں اٹھانی شروع کیں اور بالآخر زبانوں نے بھی ان کی محبت کو موضوع بنا لیا۔ انہوں نے اپنی محبت کو دوسروں سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کے طور پر اپنی نگاہوں اور ہونٹوں کو پابندی کرنے کی ہر ممکن سعی کی لیکن قیس اپنی بے تابیوں کو لگام نہ دے سکا۔

قیس کی حالت ایسی تھی جیسے وہ کسی جادو کے زیر اثر ہو۔ اس کی ایک ایک حرکت اور جنبش سے لیلیٰ کے لیے محبت جھلکتی اور چھلکتی تھی۔ وہ اس حد تک بے قابو ہو چکا تھا کہ جو کوئی بھی اسے ملتا وہ اس کے سامنے لیلیٰ کے حسن کے قصیدے پڑھنا شروع کر دیتا۔ اس کے اس غیر معمولی رویے نے لوگوں کو اس کی جانب متوجہ کرنا شروع کر دیا۔ وہ اس کی باتیں بڑے ذوق و شوق سے سنتے لیکن پھر اس پر ہنستے اور بہ آواز بلند اسے "مجنوں"، یعنی پاگل کہہ کر پکارتے۔

معاملات نے کچھ ایسا رخ اختیار کیا کہ لیلیٰ کے خاندان کو بھی اس کا علم ہو گیا۔ وہ خود بھی ایک سردار کی بیٹی تھی چنانچہ اس نے اپنی عزت بچانے کی خاطر لیلیٰ پر پابندی عائد کر دی کہ وہ اپنے خیمے سے باہر نہیں جائے گی۔ لیلیٰ کا مدرسہ چھڑوا دیا گیا اور قیس، اپنی محبوبہ کے دیدار کو ترسنے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک لیلیٰ کی فرقت کے باعث قیس ہر اس شخص سے دور ہو گیا جو اس سے وابستہ تھا۔ قیس نے لیلیٰ کی جدائی پر سرِعام آنسو بہائے، سر پر خاک ڈالی اور اس دنیا کو برا بھلا کہا

جس نے دونوں کو جدا کر دیا تھا۔

خود لیلیٰ کی حالت قیس سے مختلف نہیں تھی۔ اس کا ردِعمل بھی ایسا ہی تھا لیکن لڑکی ہونے کے ناتے وہ سڑکوں یا چوراہوں پر اپنی محبت کا ماتم نہیں کر سکتی تھی چنانچہ اس نے خود کو خیمے تک محدود کر لیا اور ایک کونے میں بیٹھ کر ہچکیوں سے روتی اور سسکیاں لے لے کر قیس کو پکارتی رہتی۔

صورتِ حال خراب سے خراب تر ہوتی چلی گئی لیکن قیس نے لیلیٰ کے خیمے کی جانب جانا نہ چھوڑا۔ اسے لیلیٰ تو دکھائی نہ دیتی لیکن وہ ہر بار اپنی آہوں، سسکیوں اور آنسوؤں کا نذرانہ وہاں ضرور چھوڑ آتا۔ دنیا والوں کے لیے اس کے جذبات سرد پڑ گئے تھے اور اس کی نظر میں دنیا کی اہمیت بالکل ختم ہو گئی تھی۔ لوگ بھی اسے مخبوط الحواس اور دیوانہ سمجھنے لگے لیکن وہ خود ایک شاعر تھا چنانچہ اس نے اشعار کی صورت اپنے غم کا اظہار شروع کر دیا۔ پہلے لوگ اسے "مجنوں" کہا کرتے تھے، اب اس نے خود اپنا تخلص "مجنوں" رکھ لیا۔

لیلیٰ اور مجنوں کا تعلق گو ایک ہی قبیلے سے تھا لیکن اس کی ذیلی شاخ الگ تھی چنانچہ اس قبیلے نے اپنے خیمے نجد کی پہاڑیوں میں منتقل کر لیے جس کا مقصد لیلیٰ کو مجنوں کی رسائی سے دور رکھنا تھا۔ مجنوں کو اس کا علم ہو گیا اور وہ ایک روز لیلیٰ کے خیمے کے انتہائی قریب پہنچ گیا۔ لیلیٰ اسے خیمے کے دروازے پر بیٹھی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ لیلیٰ کو بھی مجنوں کی وہاں آمد کا احساس ہو گیا لیکن وہ مل نہیں سکتے تھے۔ دونوں نے دور سے ایک دوسرے کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ صحرا میں چلنے والی ہوا نے ایک انوکھا کردار ادا کیا اور ان کے نم آلود خاموش پیغامات کو دونوں تک پہنچایا۔

بس یہی وہ مختصر ترین لمحات تھے جو انہوں نے بچھڑنے کے بعد ایک دوسرے کی قربت میں گزارے۔ مجنوں کو خوف تھا کہ اگر پہرے داروں نے اسے دیکھ لیا تو ممکن ہے کہ اس کے ساتھ لیلیٰ کی کم تر بھی آ جائے چنانچہ وہ فوری پلٹا اور وہاں سے دور چلا گیا۔

سردار سعید اپنے بیٹے کی حالت سے ناواقف نہیں تھا اور یہی بات اسے گھن کی طرح چاٹ رہی تھی۔ جس قیس کو اس نے منتوں مرادوں کے ایک طویل سلسلے کے بعد پایا تھا وہ اب صحرا کی دھول بن رہا تھا۔ جب جب اسے یہ خیال آتا، اس کا کلیجا کٹ جاتا لیکن وہ سوائے دعا کے اور کچھ نہ کر سکتا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اللہ سے لو لگائی اور دعائیں مانگنے لگا کہ مجنوں پھر سے قیس بن جائے لیکن قیس کے ہوش و حواس واپس نہ آئے اور وہ مجنوں ہی رہا۔

سردار سعید کو یہ ادراک ہو گیا کہ اگر قیس کے دل کی خواہش پوری ہو جائے تو وہ یقینی طور پر زندگی کی جانب لوٹ آئے گا چنانچہ اس نے اپنے چند قابلِ اعتماد رفقا سے مشورہ کیا اور قیس کے لیے لیلیٰ کا ہاتھ مانگنے کا فیصلہ کر لیا۔

سردار سعید نے نہایت عاجزی اور انکساری کے ساتھ لیلیٰ کے باپ سے التجا کی کہ وہ لیلیٰ کا رشتہ قیس سے کرنے پر رضامند ہو جائے لیکن لیلیٰ کے باپ نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ وہ ایک پاگل کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی نہیں کر سکتا۔ اس نے نہایت سختی کے ساتھ سردار سعید کو یہ بھی کہا کہ وہ آئندہ محبت یا شادی کے معاملے پر کسی قسم کی گفتگو نہیں کرنا چاہتا اس لیے سردار سعید دوبارہ کبھی اس کے پاس آنے کی کوشش نہ کرے۔ سردار سعید نے اس بے عزتی پر لیلیٰ کے باپ کو کچھ کہنے کے بجائے معذرت کی اور خالی ہاتھ واپس چلا آیا۔

اس کے بعد سردار سعید نے ایک آخری کوشش کے طور پر قیس کو مکہ لے جانے کا فیصلہ کیا۔ اس کا خیال تھا کہ اللہ کے گھر میں حاضری سے بیٹے کی ذہنی حالت سنبھل جائے گی اور وہ ایک بار پھر قیس بن جائے گا۔ قیس صحراؤں کی خاک چھان چھان کر اور بھوکا رہ کر بے حد کمزور ہو چکا تھا۔ وہ کسی سہارے کے بغیر اتنا طویل فاصلہ طے نہ کر سکتا تھا چنانچہ سردار سعید نے اس کے لیے خصوصی چارپائی تیار کرائی اور اسے مکہ لے گیا۔ وہاں اس نے قیس کو عمرہ کرایا اور خود بھی بیت اللہ میں حجرِ اسود کے سامنے کھڑے ہو کر بیٹے کی صحت یابی کے لیے طویل دعائیں کیں۔

لیکن اس سے بھی قیس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ اب سردار سعید مایوس ہو گیا کیونکہ اب تک اس نے اپنے بیٹے کی صحت یابی کے لیے جتنی کوششیں بھی کی تھیں، سب ناکامی سے دوچار ہوئی تھیں حتیٰ کہ اللہ کے گھر کی زیارت بھی قیس میں کسی دماغی تبدیلی کا باعث نہیں بن سکی تھی۔

سردار سعید، قیس کو واپس لے آیا۔ اس کا خیال تھا کہ کم از کم بیٹا اس کی نگاہوں کے سامنے رہے گا لیکن قیس کے اندرونی کرب نے اسے اس قدر بے چین کیا کہ ایک روز صبح سویرے اس نے پاؤں میں پڑی محبت کی زنجیر توڑی اور اپنی چند اشیا ساتھ لے کر نجد کے صحرا کی جانب نکل گیا۔ قبیلے والوں نے اسے تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ قیس ان کی رسائی سے دور نکل گیا تھا۔ اس کی کیفیت ایک ایسے زخمی جانور کی تھی جو انسانوں کی بھیڑ سے نکل کر کسی ویرانے میں پناہ کا خواہش مند ہو۔ قیس نے بھی یہی کیا۔

Uploaded By Muhammad Nadeem

Uploaded By Muhammad Nadeem

اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ وہ تنہا ہے اور اب وہ انسانوں کی دنیا میں زندہ نہیں رہنا چاہتا۔

لیلیٰ کے دل میں محبت کا اپنا کرب تھا۔ صبح سے شام تک وہ خیالوں میں اپنے محبوب کے خاکے اور ہیولے بناتی رہتی اور نصف شب کو جب ساری دنیا سو جاتی تو وہ سسکیوں اور آنسوؤں کے ساتھ اسے یاد کرنے لگتی۔ اشک تو گویا اس کی آنکھوں سے کبھی خشک ہوتے ہی نہیں تھے اور اگر کبھی وہ غلطی سے مسکرا بھی دیتی تو صاف محسوس ہوتا کہ وہ اپنے کرب کو چھپانے کے لیے ایسا کر رہی ہے۔ ایک جانب آنسوؤں کا سمندر تھا اور دوسری جانب محبت کی آگ تھی جس کی تپش میں ہر گزرتے دن کے ساتھ اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ لیلیٰ کو اللہ نے صرف حسن و جمال کا پیکر ہی نہیں بنایا تھا بلکہ اس میں شاعری کی صلاحیت بھی ودیعت کی تھی چنانچہ وہ بھی مجنوں کی محبت بھری نظموں کا جواب اشعار کی صورت لکھتی تھی۔

ایک روز لیلیٰ اپنی سہیلیوں کے ساتھ باغ میں چہل قدمی کر رہی تھی کہ اس کے کانوں میں کسی کے گانے کی آواز آئی۔ وہ جو کوئی بھی تھا' کہہ رہا تھا۔

اگر لیلیٰ کی آشا کے چمن میں پھول مہکیں گے
دلِ مجنوں میں حسرت کے صرف الاؤ دہکیں گے
اگر مجنوں کے ہونٹوں پر غموں کے تازیانے ہیں
تو لیلیٰ کی زباں پر بھی محبت کے فسانے ہیں
اگر مجنوں کو لیلیٰ کی ہمہ وقت یاد آئے گی
تو لیلیٰ کیسے ہنسے گی' وہ کیسے مسکرائے گی

گیت کے بول اور آواز سنتے ہی لیلیٰ نے رونا شروع کر دیا۔ وہ اس بری طرح بلک رہی تھی کہ جب اس کی ماں نے اپنی بیٹی کی یہ حالت دیکھی تو وہ بھی خود پر قابو نہ رکھ سکی اور اس نے بھی بہ آواز بلند رونا شروع کر دیا۔ ماں سے بیٹی کا دکھ دیکھا نہ جا رہا تھا لیکن وہ یہ بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اس صورتِ حال میں کیا کرے۔

وہ بہ مشکل تمام لیلیٰ کو واپس لائی لیکن وہ پورا دن لیلیٰ نے روتے اور آہ و بکا کرتے گزار دیا۔

کچھ دن اسی طرح گزر گئے۔ لیلیٰ کی حالت بھی کچھ بہتر نہ تھی تاہم اس کے حسن کی چمک ابھی ماند نہیں پڑی تھی۔ ایک روز وہ اپنی ماں کے ساتھ کہیں جا رہی تھی کہ بنو اسد قبیلے کے ایک شخص ابن سلام نے اسے دیکھ لیا۔ وہ لیلیٰ کو دیکھ کر جیسے پتھر کا ہو گیا۔ پہلی نظر میں وہ یہی سمجھا کہ یہ کوئی آسمانی حور ہے جو زمین پر اتر آئی ہے۔ اس نے فوری فیصلہ کر لیا کہ وہ لیلیٰ سے شادی کرے گا۔

ضروری معلومات حاصل کرنے کے بعد اس نے اپنے قبیلے کے ایک بزرگ کے ذریعے لیلیٰ کے باپ کو رشتہ بھجوایا اس نے پیش کش کی تھی کہ لیلیٰ کے بدلے وہ سونے کا پہاڑ بھی دینے کو تیار ہے۔ لیلیٰ کے باپ نے رشتہ تو قبول کر لیا لیکن ابن سلام کو مشورہ دیا کہ وہ کچھ عرصہ انتظار کر لے کیونکہ لیلیٰ اس وقت جسمانی طور پر بے حد کمزور تھی۔ ابن سلام کو یہ پیغام پہنچایا گیا تو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے قبول کرنا پڑا۔ وہ لیلیٰ کا دیوانہ ہو گیا تھا اور اسے فوری حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن اب انتظار کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

مجنوں بہ دستور ایک صحرائی جنگل میں بسیرا کیے ہوئے تھا۔ وہ علاقہ ایک بدھ شہزادے نوفل کی ملکیت تھا۔ شہزادہ نوفل کا شمار عرب کے بہادر ترین افراد میں کیا جاتا تھا۔ وہ بلا کا لڑاکا اور ماہر جنگ جو تھا۔ لوگ اسے ''فوجیں تباہ کرنے والا'' کے نام سے یاد کرتے تھے۔ دشمنوں کے لیے اس کے سینے میں شیر جیسا دل تھا لیکن دوستوں کے لیے وہ موم سے بھی زیادہ نرم تھا۔

ایک روز وہ اپنے چند فوجیوں کے ساتھ ایک مہم سے واپس آ رہا تھا کہ اس کی نگاہ ایک غار میں موجود شخص پر پڑی۔ اس برہنہ شخص کی ڈاڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ بال لمبے اور مٹی سے اٹے ہوئے تھے جبکہ اس کا جسم اس قدر کمزور تھا کہ اس کی پسلیاں تک صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ شہزادہ نوفل نے اسے مارنے کا ارادہ کیا لیکن اس کے ایک ساتھی نے اسے روک دیا اور بتایا کہ یہ قیس کس طرح قیس سے مجنوں بنا۔ محبت اور جنون کی یہ داستان سن کر شہزادہ نوفل کا دل پگھل گیا۔ وہ نہایت ہمدردی سے مجنوں کو دیکھنے لگا۔

''میرے خیال میں تو اس شخص کی روح تک زخمی ہے۔'' شہزادہ نوفل خود کلامی کے انداز میں بولا ''اللہ نے کہا ہے کہ تم میری مخلوق پر رحم کرو' میں تم پر رحم کروں گا اور میری سوچ یہ ہے کہ اس کی مدد کر کے میں اللہ کی رضا حاصل کر سکتا ہوں۔'' وہ اپنے آدمیوں کی جانب مڑا ''اگر ہم اس کی دلی خواہش پوری کرنے میں کامیاب ہو گئے تو کیا یہ کارِ ثواب اور ہمارے منصب کے عین مطابق نہیں ہوگا؟''

شہزادہ نوفل کے ساتھیوں نے اس سوال کا جواب اثبات میں دیا۔

اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور انہوں نے مجنوں کو اپنے ساتھ لے لیا۔ شہزادہ نوفل کے ٹھکانے پر پہنچ کر انہوں نے مجنوں کو لباس پہنایا اور ہر ممکن طریقے سے اس کی صفائی کی۔ شہزادے نے انہیں بتایا کہ وہ رات کے کھانے پر

مجنوں سے بات کرے گا

وقت مقررہ پر مجنوں کو شہزادے کے مخصوص کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ وہاں انواع و اقسام کے پکوان موجود تھے۔ شہزادہ نوفل نے پوری کوشش کی کہ وہ اپنے اس انوکھے مہمان کو کچھ کھانے پینے پر آمادہ کر سکے لیکن مجنوں کسی شے کو کھانا تو درکنار دیکھنے پر بھی تیار نہ ہوا۔

جب ہر کوشش ناکام ہو گئی تو شہزادہ نوفل کو ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے وہ نام دہرایا جو مجنوں کے لیے دنیا کی ہر شے سے زیادہ عزیز تھا..... ''لیلیٰ!''

اپنی محبوبہ کا نام سنتے ہی مجنوں چونک اٹھا۔ شہزادہ نوفل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے مجنوں سے لیلیٰ کی بابت پوچھنا شروع کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجنوں نے کھانا پینا شروع کر دیا۔ نوفل بے حد خوش ہوا۔ اس نے اپنی کوشش جاری رکھنے کا فیصلہ کیا اور چند دن میں وہ اسے مجنوں سے قیس بنانے میں کامیاب ہو گیا۔

تب شہزادہ نوفل نے لیلیٰ کے باپ کے پاس جانے کا فیصلہ کیا تاکہ مجنوں کے لیے لیلیٰ کا ہاتھ مانگ سکے۔ وہ یہ طے کر کے چلا کہ اگر اس مقصد کے لیے اسے جنگ بھی لڑنا پڑی تو لڑے گا۔ شہزادہ نوفل کا لشکرِ جرار اس کے ساتھ تھا۔ شہزادہ نوفل نے تنہائی میں لیلیٰ کے باپ سے بات کی اور یہ عندیہ بھی ظاہر کیا کہ اگر اس نے رشتے سے انکار کیا تو وہ جنگ سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔

لیلیٰ کے باپ نے رشتہ قبول کرنے کے بجائے جنگ کو ترجیح دی۔ عربوں میں آج تک یہ روایت مشہور ہے کہ شہزادہ نوفل اور لیلیٰ کے باپ کے مابین لڑی جانے والی جنگ عرب کی خوں ریز ترین قبائلی لڑائی تھی لیکن بدقسمتی سے کئی روز کے بعد بھی اس جنگ کا کوئی حتمی فیصلہ نہ ہو سکا اور کوئی فریق بھی شکست پر آمادہ نہ ہوا۔

شہزادہ نوفل کے بعض ساتھیوں نے اس سے کہا کہ یہ خونِ ناحق بہایا جا رہا ہے چنانچہ اس جنگ سے ہاتھ اٹھا لیے اور مجنوں کو اسی غار میں چھوڑ کر اپنے علاقے میں واپس چلا گیا۔

اب مجنوں ایک یتیم بچہ تھا..... وہ ایک بار پھر سے وہی مجنوں بن گیا جسے لیلیٰ کے سوا کچھ یاد نہ تھا۔ وہ اس حد تک اپنے ماضی کو فراموش کر چکا تھا کہ اپنے رشتے داروں کے بارے میں بھی کچھ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی صرف ایک ہی خواہش تھی کہ لیلیٰ کسی طرح اس کی نگاہوں کے سامنے آ جائے۔

لیکن یہ ممکنات میں سے نہ تھا کیونکہ لیلیٰ اپنے خیمے میں

> بہادری بے خوفی کو کہتے ہیں تو پھر میں نے آج تک کوئی بہادر آدمی نہیں دیکھا۔ ہر شخص کو کوئی نہ کوئی خوف لاحق رہتا ہے۔ آدمی جتنا زیادہ ذہین ہو اتنا ہی خوفزدہ ہوتا ہے البتہ بہادر آدمی اپنے خوف کے باوجود مسلسل آگے بڑھنے کی جدوجہد کرتا رہتا ہے (جنرل جارج ایس پیٹن)

قید تھی۔ ابن سلام کا رشتہ آنے اور پھر شہزادہ نوفل کے ساتھ جنگ کے بعد اس پر پابندیاں مزید سخت کر دی گئی تھیں۔ لیلیٰ کے لیے اپنا خیمہ اب ایک مقبرے کے مانند تھا کیونکہ وہ چلتی پھرتی زندہ لاش کے سوا کچھ نہیں تھی۔

پھر ایک دن ابن سلام کے خواب بھی سچ ہو گئے۔ لیلیٰ کے ساتھ اس کی شادی کی تاریخ طے پا گئی اور اسی طرح وہ دلہن بن کر ابن سلام کے گھر بھی آ گئی لیکن سب کچھ ویسا نہ ہو سکا جیسا ابن سلام نے سوچ رکھا تھا۔ اپنی پسند کی دلہن تو وہ لے آیا تھا لیکن ایسی دلہن جو کھاتی تھی نہ پیتی تھی' بولتی تھی نہ جواب دیتی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے ابن سلام کو شوہر کی حیثیت سے اپنے قریب آنے کی اجازت بھی نہیں دی تھی۔

ابن سلام اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے لیلیٰ کو دیکھ کر اس سے پہلے محبت اور پھر شادی کی اس لیے وہ لیلیٰ کی خواہشات کو اپنی خواہشوں پر قربان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

مجنوں کو فوری طور پر تو لیلیٰ کی شادی کا علم نہیں ہو سکا لیکن جب پتا چلا تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے سیکڑوں سانپوں نے بیک وقت اس کی روح' دل اور جسم کو ڈس لیا ہو۔

ایک طرف یہ سب ہو رہا تھا اور دوسری جانب سردار سعید کو ایک اور سوچ نے پریشان کرنا شروع کر دیا۔ وہ خاصا ضعیف ہو گیا تھا۔ اسے محسوس ہونے لگا کہ وہ بیٹے سے ملے بغیر ہی اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔ یہی سوچ کر اس نے قیس کو تلاش کر کے اس سے ملنے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کے لیے اس نے اپنے قبائلیوں کو چاروں اطراف روانہ کر دیا تاکہ کہیں سے اس کے بیٹے کا سراغ مل سکے۔

کئی روز بعد اسے علم ہوا کہ قیس' نجد کے صحرائی جنگل میں موجود ہے۔ سردار سعید فوری وہاں پہنچا لیکن بیٹے کو دیکھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ اس کے سامنے قیس نہیں بلکہ مٹھی بھر ہڈیوں کا ایک ڈھانچا تھا جو نہایت غلیظ کپڑے میں لپٹا ہوا تھا۔ وہ اتنا کمزور تھا کہ اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا اس لیے ہاتھوں' پیروں کے بل کسی جانور کی طرح چلتا تھا۔ سردار سعید نے ہمدردی اور محبت سے بے اختیار اسے لپٹا لیا

Uploaded By Muhammad Nadeem

Uploaded By Muhammad Nadeem

اور پاگلوں کی طرح چومنے لگا۔

مجنوں نے اپنے باپ کو دیکھا ضرور لیکن وہ اسے پہچان نہیں سکا۔ جب سردار سعید نے ہچکیوں اور آنسوؤں کے درمیان بار بار اسے مخاطب کیا تو مجنوں کو احساس ہوا کہ آنے والا اس کا باپ ہے۔ مجنوں' اپنے باپ کے قدموں پر گر پڑا اور بچوں کی طرح پچھاڑیں کھانے اور رونے لگا۔

باپ نے بیٹے کی بہت منت سماجت کی کہ وہ اس کے ساتھ چلے۔ پہلے تو مجنوں نے انکار کردیا لیکن جب سردار سعید نے یہ کہا کہ وہ مرنے کے قریب ہے اور یہ اس کی آخری خواہش ہے تو مجنوں رضامند ہوگیا۔ اس نے اپنے والد کی خواہش کے سامنے سر جھکا دیا۔ وہ قبیلے میں واپس آ گیا۔ خدمت گاروں نے ایک بار پھر اسے حیوان سے انسان بنایا۔ اس نے کئی روز تک اپنے باپ کی خواہش پر کھایا' پیا' آرام کیا اور اچھی پوشاک زیب تن کی۔ ان چند دنوں میں اس نے اپنی اندرونی کیفیات کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیں۔

لیکن ایک روز وہ اپنے والد کے پاس پہنچا "بابا!" اس نے سردار سعید کو مخاطب کیا "اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و دانش اور فہم و فراست عطا کی ہے لیکن میری تخلیق صرف محبت سے ہوئی ہے۔"

سردار سعید نے ایک لمبی سانس لی اور حتمی طور پر اس حقیقت کو تسلیم کرلیا کہ اب مجنوں کبھی قیس بن سکتا ہے اور نہ اس کا ہوسکتا ہے۔ اس نے بہ رضا و رغبت مجنوں کو اپنی دنیا میں لوٹنے کی اجازت دے دی۔ مجنوں کو اسی لمحے کا انتظار تھا۔ اس نے اپنی پوشاک اتار کر پھینکی اور آخری بار اپنے باپ کو دیکھ کر قبیلے سے نکل کھڑا ہوا۔

اس کے بعد سردار سعید کبھی بیٹے سے نہ مل سکا کیونکہ اس کی روانگی کے محض دو دن بعد ہی وہ خود بھی اپنے خالق حقیقی سے جاملا تھا۔ مجنوں کو جب اس کا علم ہوا تو وہ اپنے باپ کی قبر پر حاضری کے لیے آیا۔ اس نے قبر کی پائنتی بیٹھ کر باقاعدہ اپنے باپ سے معافی مانگی اور ایک بار پھر نجد کے صحرائی جنگل کو لوٹ گیا۔

اب انسانوں کے لیے مجنوں کی حیثیت کچھ بھی نہ رہ گئی تھی۔ ان کی نظر میں وہ ایک جانور تھا جس نے اپنی یہ شناخت خود اپنے لیے چنی تھی۔ انسانوں کی دنیا سے اس نے خود کنارہ کشی اختیار کی تھی لیکن مجنوں اس پر خوش تھا کیونکہ وہ اپنی تنہائی میں بھی اکیلا نہیں تھا۔ جنگلوں اور صحراؤں میں رہنے والے جانور اب اس کے ساتھی اور غم گسار تھے اور مجنوں کو ان کے علاوہ کسی اور کی رفاقت درکار بھی نہیں تھی۔

یہ جنگلی جانور اور درندے مجنوں سے اس قدر مانوس تھے کہ جب وہ سوتا تو وہ شاہی محافظوں کی طرح باقاعدہ اس کی پہرے داری اور حفاظت کرتے۔ سب سے پہلے ایک شیر' مجنوں کا دوست بنا۔ وہ ایسے مجنوں کے گرد گھومتا جیسے کوئی کتا اپنے ریوڑ کی حفاظت کررہا ہو۔ اس کے بعد بارہ سنگھے' ہرن' بھیڑیے' ریچھ اور صحرائی لومڑیاں بھی شیر کی تقلید کرنے لگیں اور صورتِ حال یہ ہوگئی کہ مجنوں کا ٹھکانا باقاعدہ طور پر جانوروں کی آرام گاہ بن گیا۔ اب وہ پانچ منٹ کے لیے بھی تنہا نہیں رہ سکتا تھا۔

ایک دن زید نامی ایک بوڑھا' جانوروں سے بہ مشکل بچتا' بچاتا مجنوں تک پہنچا۔ وہ اس کے لیے لیلیٰ کا ایک خط لایا تھا۔

لیلیٰ نے لکھا تھا:

"شروع کرتی ہوں اس خط کو اللہ کے نام سے' جو دلوں کے بھید جاننے اور روحوں کو زندگی بخشنے والا ہے۔

یہ غموں کا وہ تازیانہ ہے جو دکھوں سے چھلنی ایک روح' دوسری کو بھیج رہی ہے۔ یہ میرا' یعنی ایک قیدی کا خط ہے جو صرف تمہارے لیے زندہ ہے' اس کے لیے جس نے دنیا کی زنجیروں کو کاٹ کر اپنے لیے آزادی کا راستہ چنا ہے..... کیسے ہو' میرے محبوب..... اور اپنا وقت کس طرح گزارتے ہو..... دنیا کے راستے' کائنات کی کہکشائیں' سات سیارے اور جنتوں کے محافظ تمہیں کہاں لے گئے ہیں..... میں جانتی ہوں کہ تم بھی ہماری دوستی اور محبت کے پہرے دار ہو لیکن یقین رکھو کہ میرے دل میں بھی صرف تمہاری محبت کی شمع روشن ہے..... اس دل میں تمہارے سوا کسی دوسرے کا خیال تو کیا' گمان بھی نہیں۔

میں جانتی ہوں کہ تم نے کتنی بڑی قربانی دی ہے..... مجھے علم ہے کہ تم نے اپنے ہاتھوں اپنی کھیتی کو نذرِ آتش کیا ہے اور دنیا کو ٹھوکر مار دی ہے۔ تم نے اپنا دل میرے نام لکھ دیا ہے جبکہ اپنی روح میرے حوالے کردی ہے اور اسی وجہ سے تم لوگوں کے طعنوں کا نشانہ بنے..... لیکن ہم نے کبھی یہ پروا نہیں کی کہ دنیا ہمارے بارے میں کیا کہتی ہے اور کیا رائے رکھتی ہے..... وہ ہم پر جو بھی پھینکیں گے' ہم دونوں مل کر ان کا مقابلہ کریں گے..... اور کچھ نہیں تو مجھے تمہاری وفاداری اور اخلاص پر مکمل اعتماد اور بھروسا ہے..... میں جانتی ہوں کہ تم کیا سوچ اور محسوس کررہے ہو..... کیونکہ تمہاری سوچ اور احساس میرے ہی تو ہیں..... میں تمہاری سوچ پڑھ سکتی ہوں اور تمہارے احساسات کو محسوس کرسکتی ہوں..... مجھے یہ بھی علم ہے کہ اب تم کیا ہو..... محبت نے تمہیں جھلسا دیا ہے..... کاش کہ میں تمہیں اپنی آنکھوں سے

دیکھ اور ہاتھوں سے محسوس کرسکتی..... لیکن میں اپنے دل کی آنکھوں سے اندازہ لگا سکتی ہوں کہ میری محبت نے تمہیں زندہ لاش بنا دیا ہے..... ہاں' یہ تو بتاؤ کہ وقت کیسے گزارتے ہو..... کیا میں ہر وقت تمہارے آس پاس ہوتی ہوں یا کوئی اور بھی تمہارا سنگی ہے..... یہ درست ہے کہ میں جسمانی طور پر تم سے دور اور جدا ہوں..... لیکن یقین رکھو کہ اس جسم میں صرف تم دھڑکتے ہو..... اور میرے جسم میں جو روح ہے نا..... وہ بھی تمہاری ہے' میرے محبوب!

یہ بھی درست ہے کہ اب میرا ایک شوہر ہے..... ہاں' وہ شوہر تو ہے لیکن میرا محبوب نہیں..... وہ کبھی میرے قریب نہیں آیا..... میں نے کبھی اسے خود کو چھونے کی اجازت نہیں دی..... یقین رکھو میرے محبوب! کہ میں جسمانی طور پر کمزور ضرور ہوں' کیونکہ ایک عورت ہوں لیکن میری سوچوں کی اصل قوت تم ہو اور اسی قوت کے بل بوتے پر میں نے اسے خود سے دور رکھا ہے..... میں ایک بار پھر تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ تمہاری محبت کی حفاظت کروں گی۔ وہ محبت جو پہلے بھی ایک کلی تھی اور آج بھی ہے..... اس کلی کو پھول بنانے کا حق اس روئے زمین پر صرف تمہارا ہے' کسی اور کا نہیں..... وہ یعنی میرا شوہر ہمیشہ اس خزانے کی تلاش میں ہی رہے گا جو تمہارا ہے..... صرف تمہارا..... یہ خزانہ اس دروازے کے پیچھے ہے جس کی چابی تمہارے پاس اور میرے شوہر کی دسترس سے بہت دور ہے۔

اور ہاں..... میرا شوہر ایک نیک نام' باعزت اور نہایت امیر آدمی ہے..... لیکن میری نظر میں بھلا ان چیزوں کی کیا اہمیت ہے..... جسے قیس نصیب ہوا سے کسی عیش کی ضرورت نہیں..... اور اگر میں موازنہ کروں تو میرے محبوب! تمہارے سامنے وہ خاک بھی نہیں۔

میرے محبوب! شاید تم نہیں جانتے کہ مجھے تمہارے ملن کی کتنی خواہش تھی..... میں تمہارے ساتھ' تمہاری بانہوں میں رہنا چاہتی تھی لیکن ہم ایسا نہیں کرسکے۔ یہ تقدیر کا فیصلہ تھا کہ ہم ایک دوسرے سے دور اور جدا رہیں..... تقدیر کا لکھا چونکہ تبدیل نہیں ہوسکتا..... شاید اس لیے آج بھی ہم ایک دوسرے سے دور اور جدا ہیں..... لیکن جب میں تقدیر کے بارے میں سوچتی ہوں تو میرا دل خون کے آنسو روتا ہے..... کاش اللہ' سب کچھ بناتا لیکن تقدیر نہ بناتا!

مجھے جب تمہارے والد کے انتقال کی خبر ملی تو ایک لمحے کے لیے میں اپنا دکھ بھول گئی تھی..... کیونکہ مجھے ایسا لگا جیسے میرے اپنے والد کا انتقال ہوگیا ہو..... تمہیں پتا ہے کہ میں نے باقاعدہ ان کا غم منایا تھا..... میں نے کئی روز تک گہرے رنگ کا ماتمی عبا پہنے رکھا اور اس تمام عرصے میں میری آنکھ ایک بار بھی خشک نہیں ہوئیں۔ میں ہر وقت انہیں یاد کرکے رو رہتی تھی..... تم میری بات سمجھ رہے ہو نا' میرے محبوب!

میں نے تمہارا دکھ اور غم بانٹنے کی ہر ممکن کوشش کی میری جان..... بس ایک کمی رہ گئی کہ میں خود تمہارے پاس تمہیں پُرسہ نہیں دے سکی..... یہ ناممکن تھا لیکن اس کے لیے مجھے معاف کردینا..... لیکن پھر سوچتی ہوں کہ بھلا اس سے کیا فرق پڑتا ہے..... کیونکہ ہمارے جسم الگ سہی' روحیں تو ایک ہیں ناں..... میں تو اپنی روح کو ہر وقت تمہارے ساتھ محسوس کرتی ہوں اور یقیناً تمہارے ساتھ بھی یہی صورتِ حال ہوگی..... میں جانتی ہوں کہ تمہیں اپنے والد کے ہمیشہ کے لیے چلے جانے پر کتنا دکھ ہوا ہوگا لیکن ہم بھلا کسی جانے والے کو بھی روک سکتے ہیں..... اس لیے اس دکھ کے مداوا کی بس ایک ہی صورت ہے کہ ہم دونوں صبر کریں..... صرف صبر۔

یہ مت سوچنا کہ بیچ بکھر گئے ہیں..... ہم جدا ہوگئے ہیں..... بلکہ یہ سوچنا کہ ان بیجوں سے کیا فصل اگ رہی ہے..... ممکن ہے کہ آج پتھر اور کانٹے تمہارا راستہ روکیں لیکن دیکھ لینا کہ کل وہیں میوے اور کھجوریں اگیں گی..... آج تمہارے مقدر میں ایک بند کلی ہی سہی..... لیکن یقین رکھو کہ یہ کل کا گلاب ہے..... اس بات کو کبھی نہیں بھولنا۔

مانتی ہوں کہ اب تمہارے والد نہیں رہ گئے..... تمہارا تعلق میرے الفاظ سے سوا ہوگا..... لیکن باپ گیا ہے' بیٹا زندہ ہے اور اسے زندہ رہنا چاہیے کیونکہ میں اس کی طلب گار ہوں..... چٹانیں ٹوٹ کر بکھر جاتی ہیں لیکن ان کے ٹوٹنے سے ہیرے اور جواہرات برآمد ہوتے ہیں..... چٹان کے ٹوٹنے سے میرے مقدر کا جو ایک ہیرا برآمد ہوا ہے..... وہ تم ہو میرے محبوب! اس ہیرے کی حفاظت کرنا..... کیونکہ یہ میرا ہے..... صرف میرا۔"

مجنوں نے خط کو بار بار پڑھا اور چوما..... ہر بار پڑھنے پر اس کی آنکھوں میں ایک نئی چمک آجاتی۔ آج وہ مسکرا رہا تھا اور خوش تھا۔ بوڑھا زید تو اسے حیرت سے دیکھ ہی رہا تھا' جنگل کے جانور اور درندے بھی حیران تھے کہ آج اس جانور نما انسان کو کون سی خوشی مل گئی ہے؟

اور پھر اس نے لیلیٰ کے خط کا جواب لکھا۔

بوڑھا زید اس خط کو لے کر لیلیٰ کے پاس پہنچا جس نے آنسوؤں کے دھند کے پار اسے پڑھا۔

Uploaded By Muhammad Nadeem

Upload By Muhammad Nadeem

مجنوں نے لکھا تھا:

''شروع اس اللہ کے نام سے جو کائنات کی ہر شے کا مالک ہے۔

یہ خط وہ شخص تحریر کر رہا ہے جس نے دنیا سے اپنے تمام رشتے ناتے اور تعلقات منقطع کر لیے ہیں اور اپنی تقدیر صرف اور صرف تم سے وابستہ کر لی ہے کیونکہ اللہ کے بعد تم ہی میرے جسم و جاں کی مالک اور خون کی حق دار ہو۔

تم نے لکھا ہے کہ میں تمہارے خزانے کا مالک ہوں...... درست...... میں اسے دل و جاں سے تسلیم کرتا ہوں اور فخر کرتا ہوں کہ تم نے مجھے اس قابل سمجھا لیکن میرے محبوب، تم مجھ سے دور تو نہیں...... جس چابی سے اس خزانے کا دروازہ کھل سکتا ہے، وہ ابھی بنی نہیں اور جس لوہے سے یہ چابی بنائی جاتی ہے وہ تو ابھی چٹانوں کے اندر دور کہیں دفن ہے۔

تم تو خود ایک جنت ہو اور میں اس کا دربان و محافظ...... یہ علیحدہ بات ہے کہ جنت کے دروازے کو کھولنے کی چابی میرے پاس بھی نہیں...... مانا کہ تم اس وقت میری نہیں ہو...... لیکن ہو تو صرف میری ناں...... کیا میں نے اپنی خواہش کے مطابق خود کو تمہارے لیے وقف نہیں کر دیا...... بولو...... کیا میں تمہارا غلام نہیں...... اور اگر تم خاموش بھی رہتی ہو تو کیا ہوا...... میں تو تمہارے غلاموں کا بھی غلام ہوں۔

اور تم تو یہ سب کر چکی ہو...... دیکھ چکی ہو اور ثابت کر چکی ہو کہ تم، میرے اور میں تمہارے سوا کسی کا ہو ہی نہیں سکتا۔ ذرا بتانا کہ کیا تم نے میرا نام اپنے دل کے بجائے برف کی سل پر لکھ رکھا ہے جس کے سورج کی روشنی سے پگھلنے کا خوف ہے...... یہ تم ہی تو ہو جس کی وجہ سے میں نے محبت کی آگ میں جلنا سیکھا ہے...... کیا تم بھول گئیں کہ یہ سب تم نے کیا اور میرا وجود صرف تمہارا مرہونِ منت ہے...... تم ہی تو ہو جس نے میرے دنوں کو رات میں تبدیل کر دیا اور میری زندگی کو میرے لیے بوجھ بنا دیا...... یہ شکوہ نہیں بلکہ سوال ہے کہ کیا یہ درست ہے...... میں نے جو کچھ کیا خود اختیاری سے نہیں کیا کہ میرے ہر عمل کے پیچھے تم ہو...... تم نے ہی میرا دل چرایا اور روح کو اپنے قبضے میں کر لیا...... اب بتاؤ، میرا کیا ہے جو میں تمہیں پیش کر سکوں؟

لیکن یہ مت سمجھنا کہ میں تمہارے شوہر سے کوئی فطری حسد کرتا ہوں...... اگرچہ وہ تمہارے قریب ہے...... وہ ایک ایسا پروانہ ہے جو مستقل تمہارے حسن کی شمع کے گرد منڈلا رہا ہے...... مانا کہ یہ سب میرے لیے ناقابلِ برداشت ہے لیکن میں بھلا کیا کر سکتا ہوں، وہ چاہے تو تمہارے حسن سے حظ حاصل کرے اور چاہے تو شمع کی روشنی...... ہاں میں اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ میری بھی یہی خواہش ہے...... لیکن میں کیا کہہ سکتا ہوں...... تم میرا سب کچھ ہو...... میری اچھائی اور برائی...... میری صحت اور بیماری...... میرے پاس اپنا کچھ نہیں میری جان!

مجھے معاف کر دینا...... میرے محبوب...... معاف کر دینا...... اگر میں نے تمہاری وفاداری پر کسی شک کا اظہار کیا ہے تو مجھے معاف کر دینا...... میں جانتا ہوں کہ اب تک کسی کو تمہارا قرب نصیب نہیں ہوا...... میری امانت محفوظ ہے...... تمہارا شوہر، ابن سلام ایک شریف النفس انسان ہے اور میں ایمان کی حد تک اس پر یقین رکھتا ہوں...... لیکن اس سے بھلا میری کیا مدد ہو سکتی ہے...... اس کی شرافت کا مجھے کیا فائدہ...... میرے نزدیک وہ ایک عام چور سے شاید قدرے بہتر ہے جو میرا خزانہ چرا کر خوش ہو رہا ہے...... اور ایک ایسے ہیرے کو اٹھا لایا ہے جو کبھی اس کے خزانے کا حصہ نہ تھا۔

میری پیاری...... تمہیں پیار کرتے کرتے میری زندگی گزر گئی ہے...... ہونٹوں پر پپڑیاں جم گئی ہیں اور آنکھوں کے سامنے تاریکی آنے لگی ہے...... تم تصور بھی نہیں کر سکتیں کہ میں کس حد تک دیوانہ اور مجنوں ہو چکا ہوں...... تمہارے لیے میں نے دنیا کو ہی نہیں خود کو بھی کھو دیا ہے۔

سو میرے دکھوں کو مجھ تک محدود رہنے دو...... محبت نے میری روح کو جو زخم لگائے ہیں، مجھے ان پر فخر ہے لیکن میں نہیں چاہتا کہ تمہیں کبھی ان زخموں کی خبر بھی ہو...... کیا ہوا جو میری بیماری کا کسی کے پاس کوئی علاج نہیں...... میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ تم جب تک خوش ہو...... میں ان زخموں سے کوئی ٹیس بھی نہیں اٹھنے دینا چاہتا۔''

مجنوں کی طرح لیلیٰ نے بھی اس خط کو بار بار پڑھا اور اپنی آنکھوں سے لگایا، سینے سے بھینچا اور ہونٹوں سے چوما۔ لیکن محبوب کی تحریر نے اسے چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک تاریک رات میں وہ اپنے قید خانے سے نکل پڑی۔ اس قید خانے سے جو اس کے والدین نے شوہر کے گھر کے نام سے اس کے لیے بنایا تھا۔

اس کا رہبر و رہنما کوئی نہیں تھا...... بس ایک دل کی آواز تھی جو اسے ایک سمت لیے چلی جا رہی تھی...... اس طرح چلتی اور ٹھوکریں کھاتی وہ اس صحرائی جنگل کے کنارے پہنچ گئی جہاں دو راستے آپس میں ملتے تھے۔ بوڑھا زید، جو پہلے ہی دونوں کے مابین پیامبر کے فرائض انجام دے چکا تھا، وہاں اس کا منتظر تھا۔ اس نے زید سے کہا کہ وہ مجنوں کو بتائے کہ لیلیٰ اس سے ملنے کی خواہش مند ہے...... بوڑھے نے یہ پیغام مجنوں تک پہنچایا اور اسے پہننے کے لیے ایک عبا بھی دیا۔

مجنوں اسی بوڑھے کے ہمراہ اس نخلستان تک پہنچا جہاں لیلیٰ اس کی منتظر تھی۔

جونہی دونوں کی نگاہیں ملیں، مجنوں کو یوں لگا کہ خون ایک بار پھر اس کی نسوں میں چلنا شروع ہو گیا ہے...... جبکہ لیلیٰ کی یہ حالت تھی کہ اس کا پورا بدن بری طرح کپکپا رہا تھا۔ مجنوں جو خود سہارے کا محتاج تھا...... اس وقت خود کو اتنا طاقت ور محسوس کر رہا تھا کہ اس نے بڑھ کر لیلیٰ کو تھام لیا کیونکہ وہ اگر ایسا نہ کرتا تو لیلیٰ زمین پر گر جاتی۔

لیلیٰ اور مجنوں کی یہ آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد تقدیر نے انہیں دوبارہ کبھی ایسا موقع فراہم نہیں کیا۔

لیلیٰ کے شوہر ابن سلام کو اس ملاقات کی کانوں کان خبر نہ ہوئی تھی لیکن وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ لیلیٰ کو کبھی حاصل نہیں کر پائے گا۔ لیلیٰ کے ساتھ اس کی ہر ملاقات پہلے سے زیادہ تکلیف دہ ہوتی۔ اب ابن سلام میں اتنی ہمت نہیں رہ گئی تھی کہ اپنے اندرونی دکھ کو زیادہ عرصے تک برداشت کر پاتا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بیمار ہو کر بستر پر پڑ گیا۔

فوری طور پر ایک ماہر طبیب کی خدمات حاصل کی گئیں جس سے اس کی جسمانی قوت قدرے بحال ہوئی اور اس کی زندگی کو لاحق خطرہ ٹل گیا۔ جونہی اس نے محسوس کیا کہ وہ روبہ صحت ہے، اس نے بعض مقوی اشیا کھانی شروع کر دیں جس سے ایک بار پھر بخار نے اسے آ لیا۔ اس بار بخار کم ہونے کے بجائے روز بہ روز بڑھتا رہا۔ طبیبوں نے بہت کوشش کی لیکن اس مرتبہ وہ اسے بچانے میں ناکام رہے۔ چوتھے دن وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

لیلیٰ نے اپنی بیوگی کا ماتم کرنے کے بجائے سکون کا سانس لیا کیونکہ اب وہ آزاد تھی۔ اپنے محبوب مجنوں کی طرح آزاد...... گو اس کی آزادی، مجنوں سے قدرے مختلف تھی لیکن رشتوں اور مجبوریوں کے بندھن بہرحال ٹوٹ گئے تھے۔

تاہم یہ بھی حقیقت تھی کہ لیلیٰ کا موسم بہار ختم ہو گیا تھا۔ زندگی کی جو امنگ اس میں بیدار ہوئی تھی، اب وہ دم توڑ رہی تھی۔ جو آگ اس کے اندر بھڑکی تھی، وہ ایک ایسے شعلے کے مانند رہ گئی تھی جسے ہوا کا کوئی تیز جھونکا کسی بھی وقت بجھا سکتا تھا۔ اب وہ ایک ایسا پھول تھی جس کی تازگی ختم ہو چکی تھی اور اس کی خوش نما پتیاں ایک ایک کر کے جھڑ رہی تھیں۔

وہ جانتی تھی کہ اس کی موت قریب ہے۔ اسے اس کی آہٹیں اپنے کانوں کے پردوں پر سنائی دے رہی تھیں۔

اس سے پہلے کہ سب کچھ اچانک ختم ہو جاتا، اس نے یہ راز اپنی ماں پر آشکار کر دیا۔

''جب میں مر جاؤں تو مجھے کفن مت پہنانا ماں!'' لیلیٰ نے اپنی ماں سے درخواست کی ''میں دلہن کے لباس میں قبر میں اترنا چاہتی ہوں۔ مجھ پر عرق گلاب ڈالنے کے بجائے اس کے آنسوؤں کا چھڑکاؤ کرنا اور خوشبو کے بجائے مجھے اس کے دکھوں سے مہکانا۔'' لیلیٰ کا اشارہ واضح طور پر اپنے محبوب کی جانب تھا۔

''اور اللہ کے واسطے ایسا ہی کرنا۔'' لیلیٰ نے اپنی ماں کو تاکید کی ''اور ہاں، اس سے پیار کرنا کیونکہ میں نے اس سے پیار کیا ہے...... اپنی زندگی سے بڑھ کر اسے چاہا ہے...... وہ میرا سب کچھ ہے ماں...... اور میں اسے تمہارے حوالے کیے جا رہی ہوں۔''

لیلیٰ کی ماں زار و قطار رو رہی تھی لیکن اس نے اپنی بیٹی کو ٹوکا نہ بولنے سے روکا۔

''وہ آئے گا......'' لیلیٰ کی گفتگو جاری تھی ''وہ ضرور آئے گا اور تم اسے فوری پہچان بھی جاؤ گی...... ہاں، جب وہ آئے تو اسے بتانا کہ لیلیٰ جب اس دنیا سے رخصت ہو رہی تھی تو اس کے ہونٹوں پر اسی کا نام تھا۔''

لیلیٰ کے ہونٹ خاموش ہو گئے اور اس کے رخساروں پر آنسو بہنے لگے۔

لیلیٰ نہایت سکون کے ساتھ لیٹ گئی...... اس نے آہستگی سے ''مجنوں'' کا نام پکارا...... دو تین بار اس کے ہونٹ ہلے اور پھر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئے...... لیلیٰ اب اس دنیا میں نہیں رہی تھی۔

لیلیٰ کی ماں نے ایک دلدوز چیخ ماری اور لیلیٰ کو پوری شدتوں کے ساتھ لپٹا لیا جیسے اسے واپس لانے کی کوشش کر رہی ہو لیکن اب لیلیٰ کسی کی بھی رسائی سے بہت دور جا چکی تھی۔

لیلیٰ کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔

مجنوں کو جیسے ہی لیلیٰ کی موت کی خبر ملی وہ آندھی طوفان کی طرح اس کی قبر پر پہنچا۔

یہ منظر نہایت دیدنی لیکن کرب ناک تھا...... دکھوں سے چھلنی روح...... اس قبر پر حاضری کے لیے پہنچی تھی جو خون بن کر اس کی نس نس میں دوڑا کرتی تھی۔ اس نے دنیا میں جس ہستی کو اپنا مالک قرار دیا تھا، آج وہ اسے چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ مجنوں بلک بلک کر رو دیا کیونکہ آج وہ واقعی اس دنیا میں اکیلا رہ گیا تھا۔

کہتے ہیں کہ مجنوں کی آمد کے وقت جو لوگ وہاں موجود

Uploaded By Muha

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

Upload By Muhammad Nadeem

تھے' وہ خوف زدہ ہو کر وہاں سے بھاگ نکلے کیونکہ ان کے لیے مجنوں کی آہ و بکا ناقابلِ برداشت تھی۔ وہ خود دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ جن لوگوں نے مجنوں کا احوال سنا وہ بھی خود پر قابو نہ رکھ سکے اور ان کی آنکھوں سے بھی بے اختیار آنسو بہنے لگے۔ یوں محسوس ہوا کہ آج ایک دنیا مجنوں کو لیلیٰ کا پُرسہ دے رہی ہو اور اس کا غم بانٹنے کی کوشش کر رہی ہو۔

مجنوں قبر کی ریت میں انگلیاں پھیرتا رہا۔ اس کا انداز ایک خوف ناک اژدہے جیسا تھا جو کسی قیمتی خزانے کی رکھوالی کر رہا ہو..... وہ رو رہا تھا اور قبر کی مٹی کو بھگو رہا تھا لیکن پھر وہ خاموش ہو گیا۔

خوف زدہ ہو کر بھاگنے والے اپنے مزید ساتھیوں کے ساتھ واپس آئے تو انہوں نے مجنوں کو قبر کی پائنتی گھٹنوں کے بل بیٹھے پایا جبکہ اس نے قبر کو اپنے کلاوے میں لے رکھا تھا۔ پھر لوگوں نے اسے لگاتار کئی سجدے کرتے دیکھا۔ مجنوں کے انداز میں جلدی تھی نہ تھکاوٹ۔ وہ گردوپیش سے بے خبر تھا چنانچہ ایک ایک کر کے تماشائی وہاں سے واپس جانے لگے۔

لوگ چلے گئے لیکن مجنوں اب بھی تنہا نہیں تھا کیونکہ جنگلی جانور اور درندے' دوستوں کی طرح اس کے آس پاس موجود تھے۔ ان کے چہروں پر خاموشی اور افسردگی صاف دیکھی جا سکتی تھی۔ صاف طور پر محسوس ہوتا تھا کہ وہ اپنے دوست کے غم میں برابر کے شریک ہیں..... پھر مجنوں قبر سے اٹھا اور واپس جنگل کی جانب روانہ ہو گیا۔ تمام درندے' پہرے داروں اور محافظوں کی طرح اس کے پیچھے چل رہے تھے۔

لیکن اب وہ سکون کے ساتھ جنگل میں نہ رہ پایا۔ اس کے دل میں ہر وقت لیلیٰ کی قبر پر جانے کی خواہش رہتی چنانچہ وہ دن میں کئی کئی بار قبر پر آتا اور پاگلوں کی طرح قبر کی مٹی کو چومتا رہتا۔

آہستہ آہستہ وہ مزید کمزور ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ ایک دن ازخود اسے احساس ہو گیا کہ اب اس کے پاس مزید وقت نہیں رہ گیا۔ جوں جوں وہ کمزور ہوتا جا رہا تھا' قبر پر جانے کی اس کی رفتار میں تیزی آتی جا رہی تھی۔ اس روز وہ آخری بار لیلیٰ کی قبر پر حاضری کے لیے روانہ ہوا کیونکہ اسے علم تھا کہ اب وہ واپس نہیں آ سکے گا۔ آج اس کی رفتار بہت سست تھی چنانچہ جب وہ قبر پر پہنچا تو شام اتر چکی تھی اور سورج ستاروں کے عقب میں کہیں جا چھپا تھا۔

حسبِ معمول وہ لیلیٰ کے قدموں میں بیٹھا اور جھک کر قبر کو چوما۔ اس کے بعد اس نے اپنے دونوں ہاتھ دعائیہ انداز میں آسمان کی جانب اٹھا دیے۔

''اے میرے اللہ..... اے میرے مالک..... میں اپنی جان تمہارے سپرد کرتا ہوں..... مجھے زندگی کے بوجھ سے نجات دے دے۔''

مجنوں آنکھیں بند کر کے لیلیٰ کی قبر پر لیٹ گیا۔ وہ پوری قوت کے ساتھ قبر سے لپٹا ہوا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ چاہتا ہو کہ قبر پھٹ جائے اور وہ اس کے اندر سما جائے..... اس نے اپنے ہونٹ قبر کی مٹی پر رکھے.....

''لیلیٰ..... میری جان!'' یہ وہ آخری الفاظ تھے جنہیں مجنوں نے ادا کیا کیونکہ اس کے بعد وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گیا۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مجنوں کی لاش ایک ماہ تک لیلیٰ کی قبر پر پڑی رہی۔ اس کے دوست درندے اور جانور بہ دستور اس کا پہرا دیتے رہے شاید انہیں یقین تھا کہ مجنوں تھوڑی دیر بعد اٹھ کر بیٹھ جائے گا لیکن ایسا نہ ہو سکا۔

انسان انہی درندوں کی وجہ سے مجنوں کے قریب نہ آ پائے۔

اور یوں زندگی میں تنہا رہ جانے والا مجنوں' موت کے بعد بھی تنہا ہی رہا۔

ممتاز محقق جے ٹی کوکر اپنے ایک مقالے میں تحریر کرتے ہیں کہ جیسے ہندوستان میں شعرا نے کرشن کو بنیاد بنا کر شہرۂ آفاق شاعری تصنیف کی اسی طرح مسلمان صوفی شعرا کے لیے لیلیٰ مجنوں پسندیدہ کردار تھے۔ صوفیائے کرام کے ہاں مجنوں' عالم جذب اور لیلیٰ' رات کی تاریکی کے استعارے کے طور پر استعمال ہوئے جبکہ یہ کہانی اپنے آغاز سے انجام تک خود کو زہد و عبادت میں غرق کر دینے کے راستے کے سوا کچھ نہیں۔ بعض صوفیائے کرام نے اس حقیقی داستان کو اللہ کی تلاش کا روحانی سفر بھی قرار دیا ہے۔

نظامی گنجوی کے بہ قول لیلیٰ اور مجنوں کو پہلو بہ پہلو دفن کیا گیا لیکن بوڑھے زید کے مطابق دونوں ایک ہی لحد میں اتارے گئے۔ نظامی نے اسی زید کا ایک خواب نقل کیا ہے جس میں زید کو جنت کے بعض باسی بتاتے ہیں۔

''کہ اب یہ دونوں دوست یکجان ہیں..... انہیں ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کے نام کر دیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک کا نام مجنوں ہے جسے دنیائے محبت کے بادشاہ کا خطاب ملا ہے جبکہ دوسری لیلیٰ ہے جو دوسری محبان میں بہ صورت چاند ہے۔ فانی دنیا میں وہ بے چین روحوں کی طرح بھٹکتے رہے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی امانتوں کی حفاظت ضرور کی لیکن کبھی مل نہ سکے اور نہ ہی اپنی خواہشات کی تکمیل کر سکے۔

انہوں نے خواب ضرور دیکھے لیکن انہیں ان کی تعبیر نہ مل سکی مگر یہاں جنت میں ان کے لیے دکھ نام کی کوئی شے نہیں۔ اب ان کے مقدر میں خوشیاں لکھ دی گئی ہیں جو ہمیشہ ان کے ساتھ رہیں گی۔ انہوں نے دنیا میں جتنے دکھ اور غم جھیلے ہیں یہاں یعنی جنت میں ان سب کا مداوا کر دیا گیا ہے۔

اور جب زید بیدار ہوتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ اگلی دنیا میں سکھ اور چین صرف ان لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جنہوں نے یہاں غم اور دکھ برداشت کیے ہوں۔ یہ دنیا آلودہ مٹی کے سوا کچھ نہیں جبکہ وہ دنیا صاف شفاف اور امر ہے..... خود کو محبت کے لیے وقف کر دو اور ایک بار اپنی انا کی زنجیروں کو توڑ پھینکو۔ محبت کا تیر بن کر اپنے نشانے کی طرف جاؤ اور پھر دیکھو کہ محبت کس رنگ اور روپ میں آپ کے سامنے آتی ہے۔ محبت انسانی زنجیروں کو توڑتی ہے۔ بندشوں سے دامن چھڑاتی ہے اور اناؤں سے آزادی چاہتی ہے۔ محبت میں ملنے والے ہر دکھ سے روح مضبوط ہوتی ہے اور اسے نئی زندگی ملتی ہے۔

نظامی نے مجنوں کو ''ہستی'' اور لیلیٰ کو ''روح'' قرار دیا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص' ایک روز صحرا میں نماز کی ادائیگی میں مصروف تھا کہ مجنوں اس کے سامنے سے گزر گیا۔ وہ شخص مجنوں پر نہ صرف ناراض ہوا بلکہ غصے میں اسے تھپڑ بھی دے مارا۔

''او پاگل شخص!'' وہ بدو غصے میں چلایا ''تمہیں جرأت کیسے ہوئی کہ تم ایک نماز پڑھنے والے شخص کے سامنے سے گزرو..... تم نہیں جانتے کہ احکامِ الٰہی کے مطابق نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گزرنا گناہ کبیرہ ہے..... او گندے آدمی' تم نے میرے سامنے سے گزر کر اللہ کے احکامات کا مذاق اڑایا ہے..... تمہیں اس کی بڑی سے بڑی سزا ملنی چاہیے۔''

اس بدو کا شور شرابا سن کر مجنوں پریشان ہو گیا۔ وہ وہیں ساکت ہو گیا۔ وہ نہیں سمجھ پایا تھا کہ نماز پڑھنے والا اس پر کیوں ناراض ہو رہا ہے۔

''میرے پیارے بھائی!'' مجنوں نہایت کمزوری آواز میں اس سے مخاطب ہوا ''میری ذہنی کیفیت تو یہ ہے کہ میں اس مادی دنیا کو بالکل فراموش کر چکا ہوں..... نہایت دیانت داری سے بتا رہا ہوں کہ مجھے تو یہ بھی خبر نہیں کہ میں کہاں سے آ رہا ہوں اور کہاں جا رہا ہوں..... میں اپنی محبت میں اس حد تک ڈوبا ہوا ہوں کہ مجھے اردگرد کا کوئی ہوش نہیں..... میں اس مادی دنیا کو نہیں دیکھ سکتا' میرے بھائی!''

مجنوں یہ کہہ کر پھر اپنے راستے پر چل دیا لیکن ایک دو قدم اٹھاتے ہی وہ چونک اٹھا..... وہ مڑ کر نماز پڑھنے والے تک پہنچا۔

''ایک سوال آیا ہے میرے ذہن میں۔'' مجنوں نے اس شخص کو مخاطب کیا ''میں تو لیلیٰ کی محبت میں اس دنیا سے بے گانہ ہو چکا ہوں اس لیے مجھے خبر ہی نہیں ہوئی کہ تم نماز پڑھ رہے ہو..... حیرت کی بات یہ ہے کہ جب تم اللہ کی محبت میں اس کی عبادت کر رہے تھے تو تمہیں کیسے پتا چل گیا کہ میں تمہارے سامنے سے گزر رہا ہوں..... اللہ کے لیے بھائی! نماز پڑھنی ہے تو ڈوب کر پڑھو۔ بالکل اسی طرح جیسے میں لیلیٰ میں ڈوبا ہوا ہوں۔''

مجنوں کے جملے سن کر وہ شخص نہایت شرمندہ ہوا۔ اس نے بڑھ کر مجنوں کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

''مجھے معاف کر دو دوست!'' اس کے لہجے میں بے انتہا لجاجت تھی ''میں واقعی غلطی پر تھا' تم واقعی صحرا کے ہیرے ہو' تم نے مجھے اللہ کا صحیح راستہ دکھایا ہے..... تمہاری محبت کے سامنے میری نماز واقعی ایک دکھاوا ہے۔''

مجنوں مسکرا کر آگے بڑھ گیا۔ اس شخص نے آسمان کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔

''اے میرے اللہ! میں بے شک زندگی میں ہار گیا ہوں لیکن التجا کرتا ہوں کہ مجنوں کو مت ہارنے دینا..... ہم تو تیرے ساتھ سودے بازی کر رہے ہیں لیکن مجنوں واقعی تمہارے لیے ایک تاج ہے۔''

آج ہمارے درمیان لیلیٰ ہے نہ مجنوں..... بس ان کا نام اور ان سے وابستہ مختلف واقعات باقی رہ گئے ہیں۔ لیکن اس سے بڑھ کر کیا اعزاز ہوگا کہ آج بھی اگر کسی کو دیوانہ یا پاگل کہنا مقصود ہو تو اسے مجنوں کہہ دیا جاتا ہے جبکہ رومانوی جوڑوں کے لیے اکثر لیلیٰ مجنوں کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

محبت تو سب کرتے ہیں لیکن ان میں سے لیلیٰ مجنوں کوئی ایک ہی ہو سکتا ہے۔ سلام ان تاجدارانِ محبت کو جنہوں نے اسی جذبے میں ڈوب کر خود کو امر کیا جس جذبے سے متاثر ہو کر اللہ تعالیٰ نے کائنات تخلیق کی تھی۔

شاید اسی لیے شاعر نے کہا تھا۔

قیس جنگل میں اکیلا ہے' مجھے جانے دو
خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں